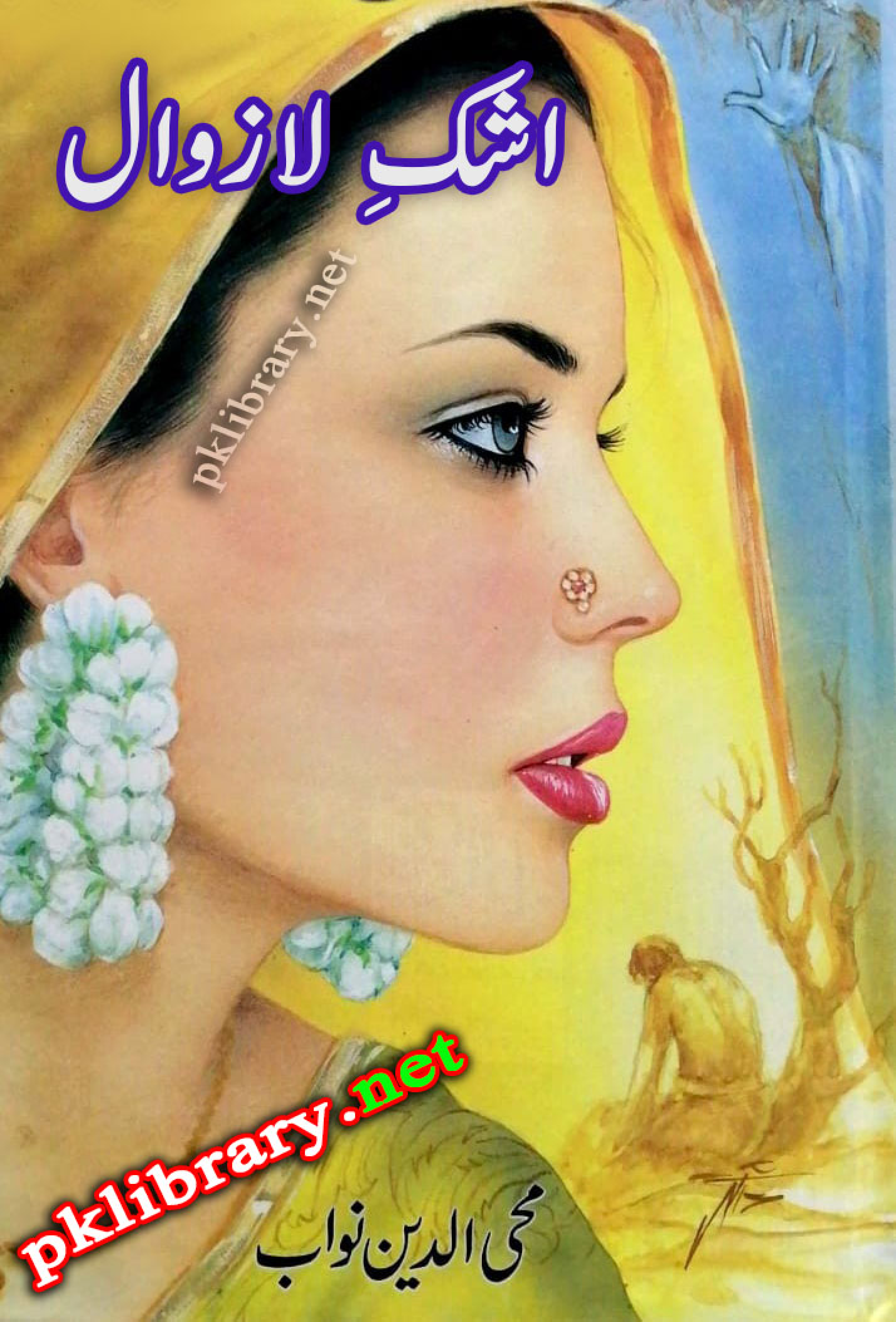

pklibrary.net
pklibrary.net

www.pklibrary.net

اشکِ لازوال

کسی کے آنسو اپنے دامن تک
اور کسی کے درِ محبوب تک پہنچتے ہیں
کوئی روتا ہے تو دریا بہا دیتا ہے
کوئی دریا کے کنارے تاج محل بنا دیتا ہے۔

آج بھی کوئی یار سے بچھڑا، فراق کا مارا، آبدیدہ ہو کر دیکھتا ہے تو تاج محل اشکِ لازوال دکھائی دیتا ہے۔'

www.pklibrary.net

اشک لازوال

نیم پردہ نشیں دوشیزاؤں کی روشن پیشانیاں اور سیاہ غزالی آنکھیں بے نقاب تھیں۔ باقی نصف چہرے کی گلابی گلابی رنگت' نقاب کی مہین جالیوں سے جھلملا رہی تھی۔ عورتوں کے اس بازار میں نصف پردہ بھی غیر ضروری تھا لیکن ابھی ابھی شہنشاہ نورالدین جہانگیر اپنی راحت جاں ملکہ نور جہاں کے ساتھ وہاں سے گزر چکے تھے۔ اب شہزادوں کی باری تھی۔ ان باذوق شہزادوں کی نظریں گل رخوں پر ٹھہر ٹھہر جاتی تھیں اس لیے رسم نبھانے کی خاطر نصف پردہ لازمی ہوگیا تھا۔ ویسے بھی مینا بازار ہو یا بادشاہوں کی حرم سرا' بیگمات اور شہزادیاں زنخوں اور شہزادوں سے بس یوں ہی رسمی سا پردہ کرتی تھیں۔

شہزادہ شہریار طبعاً عیاش تھا۔ اس کی نگاہیں آفتابی و ماہتابی چہروں پر بھٹک رہی تھیں۔ وہاں کوئی گل بدن تھی تو کوئی سمن اندام' سب ہی اپنی اپنی جوانی کا بوجھ اٹھائے ادھر سے ادھر اتراتی پھر رہی تھیں۔ شہزادہ شہریار دل ہی دل میں کہہ رہا تھا۔

"کوئی کیتکی اور کوئی گلاب
کوئی مہرتن اور کوئی مہتاب
ادھر آتیاں ادھر جاتیاں
پھریں اپنے جوبن کو دکھلاتیاں۔"

www.pklibrary.net

"شہزادہ خرم عیاش نہیں تھا مگر حسن پرست ضرور تھا۔ حسن پھول میں یا پھول بدن میں، قدرت کی صناعی سے وہ منہ نہیں پھیرتا تھا۔ اس وقت بھی اس کی نظریں ایک حسین مہ جبیں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ مہ جبیں شہزادے کی نظروں سے بے خبر پھولوں کی انجمن میں کھڑی ہوئی تھی۔ پھول بیچنے والی موتیے اور بیلے کے ہار لیے اس سے کہہ رہی تھی:۔

"یہ ہار میری بیٹی نے تیار کیے ہیں۔ وہ جنم کی اندھی ہے۔ اس نے کبھی طلوع آفتاب کا نظارہ نہیں دیکھا۔ وہ نہیں جانتی کہ اس دنیا میں خوب صورتی کا معیار کیا ہے لیکن ذرا اس ہار کو دیکھیے اور اس کا حسن ترتیب ملاحظہ فرمائیے۔ موتیے اور بیلے کو اس ترتیب سے پرویا ہے کہ دونوں پھول ایک دوسرے میں ڈوب کر ایک پھول کی خاصیت پیش کر رہے ہیں۔ یہ ایک جنم کی اندھی کا کمال ہے۔"

مہ جبین نے ہار کو دونوں ہاتھوں میں لے کر تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"واقعی اگر ایک جنم کی اندھی نے اس ہار کو گوندھا ہے تو ایک حیرت انگیز کمال ہے۔ ہم اس کی منہ مانگی قیمت ادا کریں گے۔"

"اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ انمول ہے۔ اس اندھی نے پیش گوئی کی ہے کہ یہ ہار جس کے گلے کی زینت بنے گا، وہ ولی عہد سے منسوب ہو جائے گی اور آئندہ ہندوستان کی ملکہ کہلائے گی۔"

مہ جبین کی غزالی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس کے ہاتھوں میں وہ ہار کانپنے لگا۔ ہندوستان کی ملکہ بننے کا خواب کون حسینہ نہیں دیکھتی لیکن وہ خواب ہار کی صورت میں تعبیر بن کر ایک دم سے گلے کے قریب آگیا تھا۔

"بیٹی آپ سوچتی کیا ہیں۔ اسے اپنے گلے کی زینت بنائیں اور اس اندھی کی پیش گوئی آزمالیں۔"

یہ کہہ کر اس نے مہ جبین کے ہاتھوں سے ہار لے لیا اور اسے پہنانے لگی۔ وہ ہار اس کے کانپتے ہوئے سینے پر آکر ٹھہر گیا لیکن گردن تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ نصف چہرے پر پڑی ہوئی نقاب گردن اور سینے تک آرہی تھی اور صراحی دار گردن کے حسن کو چھپا رہی تھی۔ گل فروش خاتون نے کہا۔

"بیٹی یہاں کس سے پردہ کر رہی ہیں۔ یہاں تو عورتیں ہی عورتیں ہیں۔ آپ سے

www.pklibrary.net

درخواست کرتی ہوں کہ یہ نقاب رخ سے ہٹالیں۔ ایک اندھی کا ہار اور ہندوستان کا تاج آپ کا منتظر ہے۔ نصیبی

وہ مہ جبین گم صم کھڑی تھی اور اپنے بڑوں کی کہاوتیں یاد کر رہی تھی جو "نابینا لٹتے ہیں' وہ آج کا سورج نہیں دیکھتے مگر آنے والے وقت کا چہرہ دیکھ لیتے ہیں نصیبی اس اندھی کی بات پر کیوں یقین نہ کیا جائے جس نے بیلے اور موتیے کے ساتھ اس کی خوش نصیبی کو گوندھ کر بھیجا ہے۔

وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس ہار کو گلے لگانے کو جی چاہتا تھا لیکن حیا آڑے آرہی تھی۔ انکار ناممکن تھا اور اقرار محال۔ گل فروش خاتون نے اسے پس و پیش میں مبتلا پا کر اپنا ہاتھ بڑھایا اور رخ زیبا سے نقاب ہٹادی۔ نقاب یوں سرکتی گئی جیسے رات صبح کے چہرے سے سرکتی ہے۔ شہزادہ خرم پھولوں سے لدی ہوئی ٹوکریوں کے پیچھے محو نظارہ تھا۔ پھولوں کی انجمن میں گلاب سا چہرہ کھلتے دیکھ کر وہ آس پاس کی ساری دنیا کو بھول گیا تھا۔ وہ مقناطیسی حسن اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر تک خود کو پوشیدہ نہ رکھ سکا۔ اسے قریب اور قریب سے دیکھنے کے لیے بے اختیار اس کے روبرو آگیا۔

اتنی دیر میں گل فروش خاتون اس مہ جبین کو وہ ہار پہنا چکی تھی۔ مہ جبین سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس کے گلابی رخسار تمتا رہے تھے۔ کسی کی آہٹ سن کر اس نے سر کو اٹھایا تو کلیجا دھک سے رہ گیا۔ عین نگاہوں کے سامنے ہاتھ بھر کے فاصلے پر شاہ بلند اقبال شہزادہ خرم کی صورت نظر آئی۔ چند لمحوں تک یقین اور بے یقینی کی کیفیت رہی۔ کھلی آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا تھا کہ ہار کو گلے کی زینت بناتے ہی ایک اندھی کی پیش گوئی قدم قدم چل کر ولی عہد کے روپ میں سامنے آگئی ہے۔

شہزادہ خرم کا یہ حال تھا کہ وہ اس جیتی جاگتی دنیا سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ حسن و جمال کی رعنائیوں میں ڈوبتا جارہا تھا۔ عجیب طلسماتی حسن تھا۔ آنکھیں ہرنی کی طرح سہمی ہوئی تھیں اور سوالیہ بھی تھیں۔ رخساروں پر حیا کی لالی' لبوں پر ہلکی ہلکی لرزش اور پیشانی پر پسینے کے چمکدار موتی بکھرے ہوئے تھے۔ اس سیم تن کا قد ایسا اونچا پورا تھا جیسے ابھی زمین سے ماہتابی چھوٹی ہو۔ شہزادہ خرم سانس لیتے ہوئے تاج کا ابتدائی سپنا دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ سپنا ٹوٹ گیا۔ اس مہ جبین کو ہوش آگیا کہ وہ خوابوں کی تعبیر کے روبرو آگئی

www.pklibrary.net

ہے۔ اس نے فوراً ہی رخ پھیرتے ہوئے چہرے کو نقاب میں چھپالیا پھر سرتاپا چھپنے کے لیے پھولوں کے انبار کے پیچھے ہو گئی۔ وہاں عطر فروش کی دکان کی آڑ لیتے ہوئے خوشبوؤں میں بستی بساتی اپنے وجود کی خوشبو لٹاتی' کچھ ڈولتی' کچھ ڈگمگاتی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

وہ حسین مہ جبین شاہ ارجمند بانو' نواب آصف خان کی بیٹی اور ملکہ نور جہاں کی بھتیجی تھی۔ شاہ بانو کے جاتے ہی گل فروش خاتون نے دست بستہ عرض کیا۔

"شہزادہ عالی جاہ! آپ کے حسب حکم شاہ بانو کو بے نقاب کرنا ممکن نہیں تھا لیکن بندی نے حکم بجالانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ میں نے ایک خیالی پیش گوئی سنائی' ملکہ ہندوستان کا سپنا دکھایا۔ اس طرح ان کی جلوہ نمائی کی لیکن میں نے ایک عورت کی آنکھوں سے شاہ بانو کو دیکھا ہے۔ ان کی آنکھوں میں ملکہ ہندوستان بننے کا خواب برائے نام تھا مگر آپ سے منسوب ہونے کی حیا ایسی تھی کہ وہ سر نہیں اٹھا رہی تھی۔ ہونٹوں کا شرمیلا تبسم اس محبت کی چغلی کھا رہا تھا جو انہیں آپ کی ذات گرامی سے ہے۔"

شہزادہ خرم کی باچھیں خوشی سے کھلی جارہی تھیں۔ اس نے گل فروش کی خدمات سے خوش ہو کر اپنے گلے سے سچے موتیوں کی مالا اتاری اور اس کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے بولا۔

"انشاء اللہ اس خیالی اندھی کی پیش گوئی درست ثابت ہوگی۔ ہم اسے صرف ہندوستان کی ہی نہیں اپنے دل کی ملکہ بھی بنائیں گے۔"

گل فروش خاتون انعام پا کر تعظیماً جھکتے ہوئے پرے ہٹ گئی۔ شہزادہ اس سراپا ناز کے تصور میں گم ہو کر پھولوں کی انجمن سے باہر چلا گیا۔ باہر حسینوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ اس مینا بازار میں ہر صوبے اور ہر شہر کی رئیس زادیاں تھیں۔ ایک سے ایک ہنستے مسکراتے' چہکتے دمکتے مکھڑے تھے جو پیاسی آنکھوں میں اترتے تھے اور دل میں سما جاتے تھے لیکن ایسے شاہکار چہرے بھی شہزادے کا دھیان نہ ہٹا سکے۔ معاً اس کی راہ میں ایک دوشیزہ آکر کھڑی ہو گئی۔

ولی عہد کا راستہ روکنا آسان نہ تھا لیکن وہ بھی کوئی ایسی ویسی دوشیزہ نہیں تھی۔ وہ ملکہ نورجہاں کی دختر لاڈلی بیگم تھی ملکہ ہند کی دختر ہونے کے باوجود وہ شہزادی نہیں کہلاتی تھی کیونکہ وہ مہرالنسا بیگم (نورجہاں) کے پہلے خاوند شیر افگن کے صلب سے تھی۔

www.pklibrary.net

"لاڈلی بیگم! کیا بات ہے۔ آپ امی حضور کا ساتھ چھوڑ کر تنہا بازار کی سیر کررہی ہیں؟"

لاڈلی بیگم نے ایک ادائے ناز سے کہا "شہزادہ عالم ہمیشہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔ ہم نے امی حضور کا ساتھ اس لیے چھوڑا ہے کہ آپ کی صحبت نصیب ہو۔ یہ صحبت ہمارے لیے عزو شرف کا باعث ہوگی۔"

شہزادے نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "ہم یہ محسوس کررہے ہیں کہ آپ کی یہ آروز ہمارے بزرگوں کے سوچنے کا انداز بدل رہی ہے۔ اگر کبھی جواب طلبی ہوئی تو ہم صاف کہہ دیں گے کہ ہمارے درمیان صرف بہن بھائی کے رشتے کے متعلق سوچا جائے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں....."

"ہمارے درمیان بہن بھائی کا رشتہ نہیں ہے۔" وہ چیخ کر کہنے لگی "ملکہ عالیہ آپ کی امی نہیں ہیں' صرف میری امی ہیں اور جہاں پناہ آپ کے والد ہیں میرے نہیں ہیں۔"

"اس کے باوجود وہ ہم دونوں کے مشترکہ والدین ہیں اور ہم سعادت مند اولاد کی طرح اس رشتے کی نفی نہیں کرسکتے۔"

یہ کہہ کر وہ جواب سنے بغیر اسے چھوڑ کر آگے بڑھتا چلا گیا۔

لاڈلی بیگم توہین کے احساس سے کھڑی تلملاتی رہی۔ شہزادے کے دل ودماغ پر شاہ بانو چھائی ہوئی تھی۔ عشق وجنون میں یہ بھی نہ سوچا کہ اس نے نورجہاں کی لاڈلی بیٹی کی دل شکنی کی ہے۔ بے شک وہ شہنشاہ جہانگیر کا بیٹا تھا اور ولی عہد سمجھا جاتا تھا لیکن ہندوستان کی سیاسی بساط پر نورجہاں اپنی مرضی کے مطابق مہرے چلتی تھی۔ شہنشاہ جہانگیر بھی اپنی چہیتی بیگم کے ہاتھوں میں محض ایک بے جان مہرہ تھا لہٰذا وہ کسی بھی وقت شہزادہ خرم کو اٹھا کر سیاسی بساط سے باہر پھینک سکتی تھی۔

حکومت کا نشہ رشتوں کو کاٹتا ہے۔ محبت کا نشہ نئے رشتوں کو جوڑتا ہے۔ شہزادہ ایک نئے رشتے کی دھن میں مگن رہا۔ دن گزر گیا' رات آگئی۔ دوبارہ ملاقات کی صورت نظر نہیں آئی۔ ایک آفتاب سا چہرہ تھا۔ آفتاب مہ جبین تھی۔ جھکی جھکی سی گردن اور حیا بار تبسم تھا جو رہ رہ کر دل کو تڑپا رہا تھا۔ نیند آنکھوں تک پہنچنا نہیں چاہتی تھی۔ آخر کار

www.pklibrary.net

سوچ بچار کے بعد یہی صورت نظر آئی کہ نامہ وپیام کا سہارا لیا جائے۔ شاید کہ امید بر آئے۔

وہ تمام رات جاگتا رہا اور نوک قلم سے حال دل بیان کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو اس کے آس پاس کاغذ کے چھوٹے ٹکڑوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ یہ محبت نامے لاد کر لے جانے کے لیے کم از کم ایک خچر کی ضرورت تھی لیکن چوری چھپے پیغامات صرف کبوتر ہی لے جا سکتے تھے۔ مجبوراً اس نے دل کے تمام ٹکڑوں کو سنبھال کر رکھ لیا اور ایک مختصر سا محبت نامہ تحریر کیا۔

"راحت دل وجان

آبروئے تاج ہندوستان!

کل پھولوں کی انجمن میں ایک گلاب کو بے نقاب دیکھا۔ گلاب کا نام لکھنا بعید از مصلحت ہے۔ مبادا یہ نامہ کسی دشمن کے ہاتھ لگ جائے۔ عرض حال یہ ہے کہ اس گلاب کو ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی تمنا ہے۔ آج چودھویں کا چاند ہوگا' جمنا کا کنارہ ہوگا' نصف شب ہوگی اور ہم بارہ دری میں انتظار کریں گے۔ خدارا آیئے۔ ہم ایک اندھی کی پیش گوئی کو سچ ثابت کریں گے۔

دیدار کا متمنی

شہاب الدین خرم"

اس نے بصد شوق نامہ لکھ کر تہ کیا اور ایک کبوتر کے پنجے میں رکھ کر اسے چھلا پہنا دیا پھر اس نامے کو بڑی امیدوں سے چوم کر کبوتر فضا میں چھوڑ دیا۔ کبوتر خانے میں مختلف تربیت یافتہ کبوتر تھے جو مخصوص مقامات پر پیغام رسانی کا کام کرتے تھے۔ جو کبوتر نامہ محبت لیے جا رہا تھا' اس کی پرواز امین الدولہ آصف خان کی رہائش گاہ تک محدود تھی۔

شاہی محل کے چوبارے سے ایک خواجہ سرا نے اس کبوتر کو شہزادہ خرم کے محل سے پرواز کرتے اور آصف خان کی رہائش گاہ تک جاتے دیکھا تو لاڈلی بیگم تک اس کی اطلاع پہنچا دی اور لاڈلی بیگم نے اپنی والدہ ملکہ نورجہاں کے حضور یہ مسئلہ پیش کر دیا کہ ایسا کون سا پیغام ہے جسے شہزادے نے ایک کبوتر کے ذریعے ماموں جان آصف خان کے پاس بھیجا ہے۔ وہ پیغام نواب آصف خان کے نام ہے یا نواب زادی شاہ بانو کے نام۔ اگر

www.pklibrary.net

آصف خان کے نام ہے تو پھر یہ پیغام پوشیدہ سیاسی سرگرمیوں کی چغلی کھاتا ہے۔ اگر شاہ بانو کے نام ہے تو ماموں جان اپنی صاحبزادی کو ایک مہرہ بنا کر ولی عہد کی طرف بڑھا رہے ہیں۔

دونوں ہی باتیں تشویش ناک تھیں۔ ملکہ عالیہ دیر تک اپنی قیام گاہ میں ٹہلتی رہیں اور اس مسئلے پر غور کرتی رہیں پھر ایک قلما تنی کو طلب کیا جو تیر کمان سے لیس تھی۔ اسے حکم دیا کہ وہ چوبارے کی چھت پر کھڑی رہے۔ اگر کوئی کبوتر آصف خان اور شہزادہ خرم کی قیام گاہوں کے درمیان پرواز کرے تو اسے مار گرائے۔ قلما تنی حسب حکم چھت پر کھڑی رہی۔ صبح سے دوپہر ہو گئی۔ سہ پہر کو ایک کبوتر نظر آیا۔ اس کی پرواز بتا رہی تھی کہ وہ آصف خان کی رہائش گاہ سے چلا ہے اور اس کی منزل شہزادہ خرم کی رہائش گاہ ہے۔ قلما تنی نے تیر کمان پر چڑھایا اور نشانہ تاک کر اسے مار گرایا۔ نشانہ بھی درست تھا اور یہ اندازہ بھی درست نکلا کہ شاہ بانو اور خرم کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔

ملکہ نورجہاں نے خون آلودہ کبوتر کے پنجے سے ایک تہ کیا ہوا کاغذ نکالا اور اسے کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

"شہزادہ بلند اقبال کی خدمت میں کنیز آداب عرض کرتی ہے۔ آپ جسے گلاب کہتے ہیں، وہ پہلے ہی کانٹوں میں گھرا ہوا ہے۔ اللہ ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کریں۔ ہمارے پیروں میں حیا کی زنجیر ہے اور والد صاحب کی عزت و شرافت کا پاس ہے۔ آپ سے التجا ہے کہ آپ ہماری مجبوریوں کا خیال کریں اور ہمارے انتظار میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں۔ ہمیں آپ کے حکم سے انکار نہیں ہے۔ اگر شرافت کے دائرے میں کبھی موقع نصیب ہوا تو یہ کنیز آ کے قدموں میں اپنی جان نچھاور کر دے گی۔

فقط......"

وہ نامہ، نامہ نگار کے نام سے خالی تھا۔ ملکہ عالیہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ نام نہ ہونے کے باوجود انداز تحریر بتا رہا تھا کہ اسے شاہ بانو نے لکھا ہے۔ اس خط سے ظاہر تھا کہ شاہ بانو بلاشبہ معصوم اور حیا پرور ہے۔ شہزادہ کسی جگہ اس کا انتظار کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے ملنے سے معذوری ظاہر کی تھی۔

www.pklibrary.net

بے شک شاہ بانو بے قصور تھی پھر بھی اس کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ ولی عہد اس کا دیوانہ بن گیا تھا اور اس دیوانگی میں اس نے ملکہ کی نور نظر لاڈلی بیگم کو نظرانداز کر دیا تھا۔ یہ محض لاڈلی بیگم کی ہی نہیں بلکہ ملکہ عالیہ کی بھی توہین تھی۔ وہ اب تک یہ منصوبہ بنائے بیٹھی تھیں کہ اپنی صاحب زادی کو ولی عہد سے بیاہ کرا سے ہندوستان کی ملکہ بنائیں گی۔ مگر اب یہ ان کی توہین تھی کہ جو شہزادہ ان کی صاحب زادی کو نظر سے گرا دے' اس سے جبراً رشتہ جوڑا جائے۔ ملکہ معظمہ کی صاحب زادی کے لیے رشتوں کی کمی نہیں تھی۔

اس روز ملکہ نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ شہزادہ خرم کے بجائے شہزادہ شہریار ولی عہد کہلائے گا اور لاڈلی بیگم شہریار سے بیاہی جائے گی۔ عملی طور پر اس فیصلے سے پہلے لازمی تھا کہ شہزادے کو مزید عشق و محبت میں مبتلا کیا جائے۔ اسے مجبوراً فراق میں تڑپایا جائے۔ تب یہ ثابت ہو جائے گا کہ جس طرح حکومت کرنے والے محبت نہیں کر سکتے' اسی طرح محبت کرنے والے حکومت کے قابل نہیں رہتے۔

محبت کرنے والے ایک دیوانے بادشاہ کی مثال سامنے موجود تھی۔ ملکہ نور جہاں کا عشق رعایا سے بھی پوشیدہ نہ تھا۔ وہ ایسا عاشق تھا کہ مہرالنسا کو حرم سرا میں لے کر ملکہ نور جہاں بنانے کے بعد عقل و خرد سے بیگانہ ہو گیا تھا۔ ہر وقت ملکہ کی آغوش میں خود کو گم رکھتا تھا۔ دیوانگی کا یہ عالم تھا کہ اس پری جمال جہاں آرا کی مرضی کے بغیر سانس تک نہ لیتا تھا۔

رفتہ رفتہ سلطنت کے امور اور تمام مہمات حکومت ملکہ کے قبضے میں آ گئی تھیں۔ محبت کرنے والے شہنشاہ جہانگیر کا صرف نام رہ گیا تھا۔ بادشاہ سلامت خود فرماتے تھے کہ ہم نے سلطنت بیگم کو دے دی ہے۔ ہمیں ایک پیالہ شراب اور آدھ سیر گوشت کے سوا کسی چیز کی حاجت نہیں ہے۔

وقت ثابت کر رہا تھا کہ محبت کرنے والے حکومت کے قابل نہیں رہتے۔ ملکہ معظمہ جھروکے میں آ کر جلوہ افروز ہوتی تھیں' امیر وزیر حاضر ہو کر تسلیم و کورنش بجا لاتے تھے۔ سب ان کے احکام و فرامین کے مطابق عمل کرتے تھے۔ مختلف صوبوں کے امرا کو جو فرمان بھی بھیجے جاتے ان پر ''حکم علیہ عالیہ مہر علیہ نور جہاں بیگم بادشاہ'' کا طغرا ہوتا تھا۔ مہر شاہی کا یہ تھا۔

www.pklibrary.net

"نور جہاں گشت بحکم اللہ ہمدم وہمراز جہانگیر بادشاہ
خطبہ جہانگیر کے نام تھا لیکن سکے پر جو بیت نقش تھا' اس میں جہانگیر کے ساتھ بیگم کا نام بھی تھا۔

"بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور
بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر"

ملکہ معظمہ ایک عبرت ناک تاریخ مرتب کر رہی تھی۔ مرد کی دنیا میں جہاں عورت کا سکہ نہیں چلتا وہاں وہ اپنے نام کا سکہ چلا رہی تھی۔ فہم و فراست میں کوئی عورت اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی تھی۔ وہ دور رس نتائج پر نظر رکھتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ امرا' وزرا اور دیگر صوبے دار اس کے حکم اور بادشاہ کی دیوانگی پر پیٹھ پیچھے ناگواری سے تبصرے کرتے ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر وہ آئندہ ایسے بادشاہ کی بادشاہت کو تسلیم نہیں کریں گے جو باپ کی طرح کسی مہ جبین کے عشق میں دیوانہ ہو۔ لہٰذا شہریار کو ولی عہد بنانے کے لیے خرم کو دیوانہ عاشق بنانا ضروری تھا۔ ملکہ عالیہ کی سیاسی سوجھ بوجھ اور حکمت عملی یہی تھی۔

شہزادہ خرم شام ڈھلنے تک نامہ بر کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ نامہ بر ملکہ عالیہ کے سیاسی تیر کا نشانہ بن چکا ہے۔ رات ہوئی تو وہ مایوس ہو گیا کہ نواب زادی شاہ بانو نے محبت کا جواب محبت سے نہیں دیا۔ پھر خیال آیا کہ شاہ بانو نے موتیے اور بیلے کا ہار قبول کیا تھا اور گل فروش نے شہزادے کو یقین دلایا تھا کہ نواب زادی اس کی محبت دل میں چھپائے ہوئے ہے۔ یہ باتیں یاد آئیں تو امیدیں پھر سے جوان ہو گئیں۔ دل نے کہا کہ شاہ بانو اپنی فطری شرم اور حیا سے مجبور ہے' اس لیے خاموش ہے۔ خط کا جواب اس لیے نہیں دیا کہ دنیا والوں کا خوف دامن گیر ہو گا۔ اس کے باوجود جذبہ دل اسے جمنا کے کنارے کھینچ لائے گا۔

دوسری طرف شاہ ارجمند بانو شہ نشین کے ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے کوئی سو گز کے فاصلے پر بارہ دری تھی۔ شہزادہ خرم نے بارہ دری کا انتخاب اسی لیے کیا تھا کہ نواب زادی اپنے محل سے نکل کر تنہا یہ مختصر سا فاصلہ آسانی سے طے کر سکتی تھی۔ لیکن وہ خاموش

www.pklibrary.net

بیٹھی اپنے فیصلے پر پچھتا رہی تھی۔ جس شہزادے کا پیار وہ دل میں چھپائے رکھتی تھی۔ اس سے ملاقات کا ایک سنہری موقع اس نے گنوا دیا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ تالاب کی طرح ایک جگہ ٹھہر جانے سے منزل نہیں ملتی۔ منزل کو پانے کے لیے دریا کی طرح رواں دواں رہنا پڑتا ہے۔ وہ بے کل ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ کچھ دیر ادھر سے ادھر ٹہلتی رہی پھر زینے طے کر کے باغ میں چلی آئی۔ سامنے بارہ دری تھی اور اس سے پرے جمنا کا ساحل تھا۔ وہ منظر اسے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ جذبہ دل کی کشش تھی وہ اپنے دل کو سمجھاتے ہوئے آگے بڑھی چلی جا رہی تھی کہ شہزادہ اپنے محبت نامے کا جواب پا کر مایوس ہو چکا ہوگا۔ اب وہ نہیں آئے گا۔ بارہ دری ویران ہوگی۔ اس ویرانے میں جا کر وہ اس حقیقت پر غور کرے گی کہ فیصلے کی اہم گھڑی ہو اور وہ گھڑی گزر جائے تو اس بارہ دری کی طرح ویران ہو جاتی ہے۔

بارہ دری کے محرابی دروازے کے قریب پہنچتے ہی وہ ٹھٹک گئی۔ نجانے یک بیک کیسے اور کہاں سے شہزادہ خرم چلا آیا تھا۔ یوں خلاف توقع اسے دیکھ کر وہ گھبرا سی گئی۔ شہزادے نے ہاتھ آگے بڑھا کر استقبال کے لیے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"چشم ما روشن، دل ماشاد۔ ہمیں اپنی خوش نصیبی پر ناز ہے کہ آپ یہاں تشریف لائی ہیں۔ اگر آپ نہ آتیں تو ہم بدگمانیوں کا شکار ہو جاتے۔"

شاہ بانو نے جلدی سے رخ پھیر کر سر کا آنچل چہرے تک کر لیا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شہزادے کے سامنے دوبارہ بے نقاب چلی آئے گی۔ وہ شہزادے کی قربت سے کچھ گھبراتے، کچھ شرماتے ہوتے کہنے لگی۔

"شہزادہ سلامت کا اقبال بلند رہے۔ کنیز کو توقع نہیں تھی کہ آپ یہاں تشریف لائیں گے۔ ہم نے ملاقات سے معذوری ظاہر کر دی تھی۔ کیا نامہ بر نے ہمارا نامہ آپ تک نہیں پہنچایا؟"

"آپ کا نامہ؟" شہزادے نے تعجب سے پوچھا "کیا آپ نے جواب دیا تھا؟ ہاں آپ سے غلط بیانی کی توقع نہیں ہے۔ لیکن وہ نامہ کہاں گیا اور ہمارا نامہ بر ہمارے پاس کیوں نہیں آیا؟"

"شاہ بانو نے پریشان ہو کر کہا "یا اللہ خیر! وہ نامہ کسی کے ہاتھ لگ گیا تو ہم مفت میں

www.pklibrary.net

بدنام ہو جائیں گے۔"

شہزادے نے بڑی بے باکی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "آپ سمجھتی ہیں کہ یہ ہاتھ ہمارے ہاتھوں میں آکر بدنام ہو جائے گا۔ کیا آپ خرم کو کمزور اور بزدل سمجھتی ہیں؟"

"جی..... جی نہیں۔ آپ شہ زور ہیں۔ طوفانوں کا رخ موڑ سکتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ حکومت کی باگ ڈور ملکہ عالیہ کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ یہ امید لگائے بیٹھی ہیں کہ لاڈلی بیگم آپ سے منسوب ہوں گی۔ ایسی صورت میں انہیں اس ملاقات کا علم ہو جائے تو قیامت آجائے گی۔"

شہزادے نے جواب دیا "ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ آپ ہم سے منسوب نہ ہوئیں تو قیامت آجائے گی۔ ابا حضور نے ہماری مخالفت کی تو ہم ان سے سمجھ لیں گے۔ فی الحال آپ دوستانہ ماحول میں دشمنوں کا تذکرہ نہ کریں۔ یہ جو قربت کا لمحہ ہے یہی ہماری آئندہ ازدواجی زندگی کا بنیادی لمحہ ہے اور اسی لمحے سے ہمارے پیار اور ہمارے اعتماد کا رشتہ مضبوط ہو گا۔ آیئے اعتماد کا پہلا ثبوت دیجئے۔ یہ نقاب رخ سے اٹھا لیجئے۔"

یہ کہہ کر شہزادے نے اسے سوچنے اور سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ ہاتھ بڑھا کر چہرے سے آنچل ہٹا دیا۔ وہ حیا سے سمٹی جا رہی تھی اور وہ حیرت سے سانس لینا بھول گیا تھا۔ اس کے سامنے اجلی شفاف چاندنی شاہ بانو کے روپ میں مجسم ہو گئی تھی۔ وہ حسن بے مثال کے دیدار میں اس طرح محو ہو گیا کہ نہ بات یاد رہی نہ رات یاد رہی۔ ان کے درمیان وقت تھم تھم کر گزرتا چلا گیا۔

چاند اپنی پرنور چاندنی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سرگوشیوں میں بول رہے تھے، سن رہے تھے۔ رفتہ رفتہ تکلف اٹھ رہا تھا۔ نواب زادی نے اپنا سر شہزادے کے شانے پر رکھ دیا۔ وہ سرسبز مخملی گھاس پر بیٹھے جمنا کی سبک خرام لہروں کو دیکھ رہے تھے۔ چاندنی ان لہروں پر چاندی کے ورق کی طرح کانپ رہی تھی۔ شاہ بانو نے اس نظارے سے متاثر ہو کر کہا۔

"کتنا دل فریب نظارہ ہے۔ جب چاند جوان ہوتا ہے اور چاندنی ان لہروں پر دل بے قرار کی طرح مچلتی ہے تو ایسے وقت ہم اکثر یہاں آتے ہیں اور اس نظارے میں ڈوب

www.pklibrary.net

جاتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی ہم اسی جگہ قیام کریں۔"

شہزادے نے کہا "آج سے ہماری نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ آپ مرنے کی باتیں نہ کریں۔ یہ جگہ واقعی جنت سے کم نہیں ہے۔ ہم آپ کی قربت اور محبت کی ان ساعتوں میں وعدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کے لیے یہاں ایک ایسا عالی شان محل تعمیر کرائیں گے جو آپ کے حسن وجود کے شایان شان ہوگا اور رہتی دنیا تک لوگ اس محل کے سائے میں آکر محبت کی قسمیں کھاتے اور نبھاتے رہیں گے۔"

اس کی بات پوری ہوتے ہی دور کسی مسجد سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ شہزادے نے خوش ہو کر کہا "سبحان اللہ! ہم نے کتنی مبارک ساعتوں میں وعدہ کیا ہے۔ خداوند کریم ہمارے وعدے کی لاج رکھنے والا ہے۔"

وعدوں اور خوابوں کی اس جنت سے دور امین الدولہ آصف خان کی خواب گاہ میں ملکہ نور جہاں اضطراب کے عالم میں ٹہل رہی تھیں اور آصف الدولہ بہن کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔ اذان کی آواز سن کر ملکہ عالیہ نے بھائی کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"صبح ہونے والی ہے اور تمہاری صاحب زادی کو اب تک واپسی کا ہوش نہیں ہے۔ کیا وہ اس قدر بے حیائی پر اتر آئی ہے کہ اس کے دل سے ہمارا خوف بھی جاتا رہا۔ شاید یہی بات ہے۔ ایک عیاش ولی عہد کا سہارا پا کر وہ مغرور ہو گئی ہے لیکن ہم خاک کے کیڑے کو خاک ہی میں ملا کر رہتے ہیں۔ سر اٹھائے تو اسے کچل دیتے ہیں۔ یہ نہ بھولو کہ تمہاری اوقات کیا تھی۔ ہم نے ملکہ نور جہاں بن کر تمہیں محض اس لیے عزت و شہرت کے آسمان پر پہنچایا ہے کہ تم ہمارے برادر عزیز ہو۔ جو رتبہ ہم نے تمہیں دیا ہے' اسے چھین بھی سکتے ہیں۔ اگر یہ عزت اور مرتبہ عزیز ہے تو آفتاب طلوع ہونے سے پہلے شاہ بانو کو دہلی روانہ کر دو۔ وہ تا حکم ثانی وہاں شاہی محل میں نظر بند رہے گی۔"

یہ حکم صادر کرتے ہی وہ بھائی کا جواب سنے بغیر وہاں سے غصے میں تنتناتی ہوئے چلی گئی۔

O☆O

شطرنج کی بازی جمی ہوئی تھی۔ شاہوں کا شطرنج کھیلنے کا انداز بھی شاہانہ ہوتا ہے۔ تقریباً دس گز مربع صحن کے چکنے فرش پر شطرنج کے بڑے بڑے سیاہ و سفید خانے بنے

www.pklibrary.net

ہوئے تھے۔ ان خانوں میں نوجوان کنیزیں کھڑی ہوئی تھیں۔ ہر کنیز کے سر پر صف آرائی کی مناسبت سے شطرنج کے مہرے رکھے ہوئے تھے۔ ان مہروں کے مطابق کوئی پیدل تھا' کوئی فیل' کوئی اسپ' کوئی وزیر اور کوئی شاہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

شطرنج کی اس بساط کے اطراف امراء و روٴسا اور معززین دربار تماشائیوں کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنی طویل و عریض بساط اس لیے تیار کی گئی تھی کہ شہنشاہ اور ملکہ عالیہ کے درمیان ہونے والی بازی سے دوسرے شوقین بھی لطف اندوز ہو سکیں۔

صحن کے اوپر غلام گردش کے ایک جانب درشن جھروکہ تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر اور ملکہ نورجہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان شطرنج کی چھوٹی سی بساط بچھی ہوئی تھی۔ اس چھوٹی سی بساط پر وہ جس مہرے کو آگے بڑھاتے تھے' وہی صحن میں بڑی بساط پر آگے بڑھ جاتا تھا۔

ہوتا یوں کہ ملکہ اگر اپنے پیدل کو آگے بڑھاتی تھیں تو ان کی ایک خاص کنیز درشن جھروکے کے نیچے جا کر صحن کی بساط پر پہنچتی تھی اور اس کنیز کا ہاتھ پکڑ کر ایک خانہ آگے بڑھا دیتی تھی جو ملکہ کی طرف سے پیدل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس طرح شہنشاہ کی طرف سے ایک خواجہ سرا آتا اور صحن کی بساط پر شہنشاہ کے مہرے کو حرکت میں لاتا تھا۔ اس طرح نیچے بیٹھے ہوئے معززین اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تھے کہ شہنشاہ نے کون سی چال چلی ہے۔ پھر آپس میں خیال آرائیاں کرتے تھے کہ اب ملکہ کون سی چال چلیں گی۔

دونوں ہی ذہین' حاضر دماغ اور شطرنج کے مانے ہوئے کھلاڑی تھے۔ ان کی ہر چال پر حاضرین دربار واہ واہ کرتے۔ اس وقت درشن جھروکے میں بیٹھی ہوئی ملکہ دہری بازی میں الجھی ہوئی تھیں۔ ایک بازی سامنے تھی دوسری بازی دل میں چھپی ہوئی تھی۔ اس بازی کا سب سے اہم مخالف مہرہ شہزادہ خرم تھا جسے مات دینے کے لیے وہ اپنے مہرے کو آگے بڑھا رہی تھی۔ اس نے ایک مہرے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہم لاڈلی بیگم کے ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی دیکھنے کے لیے بے قرار ہیں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو ہماری نظروں میں ایک شہزادہ ہے۔"

"ہم جانتے ہیں کہ آپ کا اشارہ شہزادہ خرم کی طرف ہے۔"

"جان نورجہاں! آپ کا اندازہ غلط ہے۔ تعجب ہے کہ شہریار کو ہر معاملے میں آپ

www.pklibrary.net

نظرانداز کیوں کرتے ہیں؟

"اس لیے کہ وہ ناچ رنگ کی محفلوں میں وقت ضائع کرتا ہے۔ اس نے کبھی حکومت کے معاملات میں دلچسپی نہیں لی۔"

"یہ بات پرانی ہو چکی ہے۔ ہوا کا رخ بدل گیا ہے۔ شہریار کو جو جاگیر بخشی گئی ہے۔ وہاں کے فرائض وہ اتنی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں جو ہماری توقعات سے زیادہ ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ ان میں گہری سنجیدگی بھی آ گئی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہم اپنی صاحبزادی کو ان سے منسوب کرنے کا ارادہ ظاہر نہ کرتے۔ اس کے برعکس خرم تباہی کے راستے پر جا رہے ہیں۔ آج کئی ماہ سے انہوں نے حکومت کے کسی معاملے میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا ہے۔"

"ہمیں آپ کے فیصلے سے اتفاق ہے۔ لاڈلی بیگم 'شہریار سے بیاہی جائے گی لیکن یہ اطلاع ہمارے لیے افسوس ناک ہے کہ صاحب زادہ خرم بے راہ روی اختیار کر رہے ہیں۔ ہم ابھی ان سے جواب طلبی کریں گے۔"

ملکہ عالیہ نہیں چاہتی تھیں کہ براہ راست جواب طلبی ہو۔ شہنشاہ اس وقت شطرنج کی بساط پر چال چل رہے تھے۔ ملکہ نے کہا۔

"آپ جواب طلب کریں یا دوسرے لفظوں میں بیٹے کو نصیحت فرمائیں گے۔ ہمارا خیال ہے کہ جوان بیٹوں پر نصیحتیں اثر نہیں کرتیں۔ انہیں ان کی غلطیوں پر شرمندہ کرنے کے بجائے حکومت کے اہم معاملات میں الجھا دیا جائے۔"

"آپ کا مشورہ مناسب ہے۔ آپ فرمائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

یہ کہتے ہوئے ملکہ نے مہرہ اسپ اٹھایا اور ڈھائی خانے کی اڑان پر شہنشاہ کی چال بند کر دی۔ نیچے صحن میں بیٹھے ہوئے تماشائیوں نے جب یہ چال دیکھی تو ملکہ معظمہ کو بڑھ بڑھ کر داد دینے لگے۔

شہنشاہ چالوں میں الجھ کر سوچنے لگے "بیگم شہزادے کو بہت ہی خطرناک مہم پر بھیجنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ ایک عرصے سے میواڑ کے رانا اپنے وسیع علاقے اور فوج کی کثرت کے باعث ہندوستان کے تمام راجاؤں میں ممتاز رہے ہیں۔ انہوں نے آج تک کسی سلطان ذی شان کی اطاعت قبول نہیں کی۔ اکبر بادشاہ پچاس سال بڑی شان و شوکت سے

www.pklibrary.net

حکمرانی کرتے رہے لیکن رانا پرتاب نے اطاعت و فرمانبرداری اختیار نہ کی۔ کئی بار فوج کشی ہوئی بلکہ ایک مرتبہ تو خلد آشیانی اکبر اعظم نے ہمیں (جہانگیر) بھی میواڑ فتح کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ ہر بار یہی صورت ہوئی کہ جب بھی رانا شاہی فوج کے حملوں سے عاجز آجاتا تو پہاڑ کے دامن میں دشوار گزار گھاٹیوں میں جا چھپتا اور چھپ چھپ کر اپنی فوج کے ساتھ کبھی تیر برساتا اور کبھی شب خون مارتا تھا۔ اکبر کے زمانے سے اب تک کتنے ہی جانباز سپہ سالار مارے گئے تھے اور بیگم خرم کو اس مہم پر بھیجنے کا مشورہ دے رہی ہیں۔ ایسی صورت میں کیا کیا جاسکتا ہے؟ بیگم کو ناراض نہیں کیا جاسکتا اور شہزادے کو ایسے دشمن کے مقابلے پر بھیجنا مناسب نہیں جو اپنی خاندانی روایات کے مطابق چھپ چھپ کر حملے کرنے کا عادی ہے۔

شہنشاہ نے ایک پیدل کو آگے بڑھا کر ملکہ کے گھوڑے کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا پھر ایک عذر پیش کیا۔

"میواڑ کا راجہ ایک طرح سے محکوم ہے' مجبور ہے کیونکہ کھل کر مقابلے پر آنے سے کتراتا ہے۔ ایسے بزدل دشمن کا مقابلہ کرنا شہزادے کی شان کے خلاف ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ پھر ایک بار رانا کی کرتوڑنے کے لیے راجہ سورج سنگھ اور سیف خان کو روانہ کیا جائے۔ اس بار وہ اطاعت قبول کر لے گا۔"

ملکہ کی نظریں بساط پر تھیں۔ شہنشاہ کا پیدل ان کے گھوڑے کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر رہا تھا اور ملکہ نے پیچھے ہٹنا سیکھا نہیں تھا۔ وہ فیل کو آگے بڑھا کر گھوڑے کی پشت پر لے آئیں۔ اب جنگ کی صورت حال یہ تھی کہ شہنشاہ کا پیدل اگر گھوڑے کو مارتا تو ملکہ کا فیل آگے بڑھتا اور شہنشاہ کے پیدل اور وزیر کو مارتا ہوا آخری خانے میں جا بیٹھتا اور شاہ کے لیے خطرہ بن جاتا۔ ملکہ نے یہ چال چلتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ اس بار میواڑ کا موجودہ رانا ہماری اطاعت قبول کرلے گا کیونکہ ایک طویل مدت سے جنگیں لڑتے لڑتے اس کا خزانہ خالی ہو رہا ہے۔ اس کے بھی کتنے ہی جانباز سپاہی اور سپہ سالار مارے گئے ہیں۔ اب وہ ہمارا جم کر مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ جلد ہی ہتھیار ڈال دے گا۔ اسی لیے تو ہم چاہتے ہیں کہ میواڑ کی فتح کا سہرا شہزادہ خرم کے سر رہے۔ اس کامیابی میں دوسرے سپہ سالاروں کا نام نہیں آنا چاہیے۔ شاہوں کی

www.pklibrary.net

تاریخ میں صرف شاہوں اور شہزادوں کی فتوحات کا ذکر ہونا چاہیے۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ آنے والی نسلیں تاریخ کی کتاب میں شہزادہ خرم کو فاتح میواڑ کی حیثیت سے پڑھتی رہیں؟"

"واقعی بیگم آپ کی ذہانت کی جتنی داد بھی دی جائے کم ہے۔ ہم آج کے دور میں حکومت کرتے ہیں اور صرف آج کی باتیں سوچتے ہیں۔ آپ آنے والی کل پر بھی نظر رکھتی ہیں۔ ہمیں آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ انشاء اللہ میواڑ کی فتح کا سہرا خرم کے سر رہے گا۔ تاریخ کے آئینے میں دیکھنے والے آپ کا چہرہ بھی دیکھیں گے اور ہماری طرح تسلی کریں گے کہ آپ نے کبھی سوتیلی ماں بن کر نہیں سوچا۔ ہمیشہ شہزادہ خرم کی فتح و کامرانی کے لیے کوشاں رہیں۔ آفریں ہے صد آفریں!"

ملکہ نے شراب کا پیالہ اٹھا کر شہنشاہ کی طرف بڑھا دیا۔ شطرنج کی بساط پر چال بند ہوگئی تھی۔ شہنشاہ کو مات ہوگئی تھی۔ غلام گردش کے نیچے صحن کے اطراف میں بیٹھے ہوئے معززین دربار تذبذب میں تھے کہ ملکہ کی جیت پر انہیں داد دیں یا نہ دیں کیونکہ شہنشاہ نے مات کھائی تھی۔ ایک کو داد دی جاتی تو دوسرے کی توہین ہوتی۔ جہانگیر نے درشن جھروکے سے جھانک کر کہا۔

"ہماری شکست نے آپ حضرات کو الجھن میں مبتلا کر دیا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ملکہ عالیہ کی جیت ہماری جیت ہے۔ ہم اجازت دیتے ہیں فہم و فراست کی ملکہ کو دل کھول کر داد دی جائے۔"

اجازت ملتے ہی چاروں طرف سے واہ واہ کا شور بلند ہونے لگا۔

○☆○

اقتدار کا لالچ کسے نہیں ہوتا۔ اگر اس اقتدار سے اپنی اولاد کی خوش حالی وابستہ ہو تو سگے بھائی بہن بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ امین الدولہ آصف خان نے جب یہ دیکھا کہ شہزادہ خرم' شاہ بانو کی طرف مائل ہے تو اس نے بڑے صبر و تحمل سے کام لیا۔ فی الحال وہ اپنی بہن ملکہ نور جہاں کے حکم سے مجبور تھا۔ اس نے بیٹی کو دہلی روانہ کر دیا تھا اور اب شہزادہ خرم سے چپکے چپکے دوستانہ تعلقات استوار کر رہا تھا۔ اس نے خرم کو بتا دیا تھا کہ ملکہ کے حکم سے مجبور ہو کر شاہ بانو کو اس سے دور کر دیا گیا ہے۔

www.pklibrary.net

آصف خان سمجھتا تھا کہ شہریار میں حکمران بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ایک دن خرم ہی تاج و تخت پر قابض ہوگا۔ اگر شاہ بانو کی محبت نے واقعی اس کے دل میں گھر کرلیا ہے تو وہ ہی ایک دن ہندوستان کی ملکہ بنے گی۔ فی الوقت بازی نورجہاں کے ہاتھ میں تھی۔ وہ دو محبت کرنے والوں کے درمیان دیواریں کھڑی کرتی جارہی تھی۔ پہلے تو اس نے شاہ بانو کو شہزادے سے دور کردیا تھا۔ اب شہزادے کو شاہ بانو سے بہت دور میواڑ کی مہم پر روانہ ہونے کا حکم صادر کرچکی تھی۔

یہ ایک ایسی مہم تھی جس میں اس کے دادا مرحوم جلال الدین اکبر اور والد محترم نور الدین جہانگیر ناکام رہے تھے۔ ناکامی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ دشمن چھپ کر نقصان پہنچاتا تھا۔ اس طریقہ جنگ سے اب خرم کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا۔ اس کے باوجود وہ اس مہم پر روانہ ہوگیا۔ وہ بھی سیاسی چالوں کو سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں اگر فتح نصیب ہوئی تو اس فتح کے سہارے وہ نورجہاں کو سیاست کے میدان میں کسی حد تک نیچا دکھا کر اپنے والد کا اعتماد حاصل کرسکتا تھا۔

اس کی روانگی کے بعد آصف خان نے ملکہ سے التجا کی کہ شہزادہ اب دارالسلطنت سے بہت دور جاچکا ہے۔ چار چھ ماہ سے پہلے واپسی ممکن نہیں ہے لہٰذا شاہ بانو کو ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے۔ ملکہ نے فراخ دلی سے اجازت دے دی۔ چند روز بعد شاہ بانو باپ کے پاس آگئی۔ آصف خان موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ اس نے کچھ ایسے خفیہ انتظامات کیے جن کے ذریعے شہزادہ اور شاہ بانو کے درمیان دوبارہ نامہ وپیام کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ مقصد یہ تھا کہ شہزادے کے دل میں شاہ بانو کی یاد ہمیشہ تازہ رہے۔ شاہ بانو کا نامہ ایک ہرکارے کے ذریعے بڑے رازدارانہ انداز میں شہزادے تک میدان جنگ میں پہنچتا تھا اور شہزادے کی خیریت کی اطلاع شاہ بانو کو ملتی رہتی تھی۔

شہزادہ خرم نے اپنے لشکر کے ساتھ قصبہ اودے پور کے میدان چوگان پر پڑاؤ کیا تھا۔ اس علاقے میں اب تک کسی لشکر کی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ راجہ سورج سنگھ نے شہزادے کو سمجھایا کہ سارے لشکر کا کوہستان میں گھس جانا مناسب نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ دشمن ہمیں ان پہاڑوں میں چاروں طرف سے گھیر کر پیچھے آنے والوں اور رسد لانے والوں کا سلسلہ منقطع کردے۔ لیکن شہزادے نے اپنے طور پر جنگ لڑنے کی ٹھانی تھی،

www.pklibrary.net

اس نے اودے پور سے سرحد تک چھ تھانے قائم کئے تاکہ رسد کی فراہمی اور فوج کی نقل و حرکت میں کوئی دشواری نہ ہو۔ پھر اپنی خداداد صلاحیت اور ذہانت کے مطابق فوج کے چار حصے کیے۔ ایک فوج عبداللہ خان فیروز جنگ کی سرداری میں، دوسری دلاور خان کاکڑا اور کشن سنگھ کے اہتمام میں، تیسری سیف خان بارہرا اور میر بخشی کی ماتحتی میں اور چوتھی میر تقی کی سربراہی میں۔ ان سرداروں میں ہر ایک کو ان کے مرتبے کے مطابق خلعت، شمشیر مرصع، ہاتھی اور عربی گھوڑے عطا کئے۔ رانا کو ان فوجیوں کے تقرر کا علم ہوا تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ زیادہ عرصے تک کھل کر سامنے آکر مقابلہ نہ کرسکا۔ ثابت قدمی کو ترک کرکے اپنی عادت کے مطابق بھاگ کھڑا ہوا۔ کبھی کسی گھاٹی میں چھپنے لگا کبھی کسی پہاڑی کی کھوہ میں۔ آج اس غار میں رات گزاری تو کل اس جنگل میں دن بسر کیا۔ اس کے جاں نثار سپاہی بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ اسی طرح آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے اچانک شاہی لشکروں پر حملہ کرتے تھے پھر فرار ہو کر کہیں چھپ جاتے تھے۔

اسی طرح دن ہفتے اور مہینے گزرتے رہے۔ رانا تھا کہ گرفت میں نہیں آتا تھا۔ بعض اوقات بڑے بڑے خطرناک حملے کرتا تھا۔ کچھ اس طرح شب خون مارتا تھا کہ شاہی لشکر کے سیکڑوں خیموں کو جلا کر اور جانی و مالی نقصان پہنچا کر پھر کسی چوہے کے بل میں جا چھپتا۔ اس جنگ کے روز و شب کی تفصیلات جہانگیر تک پہنچتی رہتی تھیں۔ یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ دوسرے راجے مہاراجے رانا کی پشت پناہی کر رہے ہیں لہٰذا رانا برسوں تک خرم کو لوہے کے چنے چبواتا رہے گا۔

شہنشاہ نے یہی مناسب سمجھا کہ شہزادے کو واپس بلالیا جائے لیکن ملکہ نے کہا "جنگ کے دو ہی نتائج ہوتے ہیں۔ شکست یا فتح۔ اور ابھی ان میں سے کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ ایسی صورت میں شہزادے کو واپس بلانا خلاف مصلحت ہے۔ یوں بھی شہزادگی کے زمانے میں شہزادوں کے لیے جنگ کا میدان ہی مناسب ہوتا ہے ورنہ شاہی محل کی ٹھنڈی چھاؤں میں آکر وہ عیش و طرب کی رنگین محفلوں میں اپنی صلاحیتوں کو زنگ آلود کرتے رہتے ہیں۔"

ملکہ نے بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ جہانگیر نے سر تسلیم خم کردیا۔

جنگ جاری رہی۔ وہ بڑی طویل، تھکا دینے والی جنگ تھی۔ اگر کوئی اور شہزادہ ہوتا تو

www.pklibrary.net

وہ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ہی واپس چلا آتا لیکن خرم عہد کر چکا تھا کہ رانا کو گرفتار کرے گا یا پھر ساری عمر لڑتا رہے گا۔ اس پر اس لیے بھی تھکن طاری نہیں ہوتی تھی کہ ہر دس پندرہ دنوں بعد شاہ بانو کا طویل محبت نامہ موصول ہوتا تھا جسے پڑھتے پڑھتے وہ تلواروں کی جھنکاروں اور توپ و تفنگ کے دھماکوں سے دور جمنا کے ٹھنڈے ساحل پر پہنچ جاتا تھا۔ جنگ کے میدان میں کڑی دھوپ ہوتی تھی۔ آفتاب سوا نیزے پر ہوتا ہے۔ مگر شاہ بانو کی ٹھنڈی میٹھی تحریر سے چودھویں کا چاند طلوع ہوتا تھا۔ آخر شب کی شبنمی ہوا کانوں کے قریب سرسراتی ہوئی اور سرگوشیوں میں پوچھتی ہوئی گزرتی تھی کہ اے برہا کی ماری شاہ بانو! تیرا شہزادہ کب آئے گا؟ تب شاہ بانو بڑے فخر سے جواب دیتی "دیر آید درست آید۔" وہ دیر سے آئے گا مگر فتح کا پرچم لہراتا آئے گا۔

شاہ بانو کے خطوط شہزادے کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور پھر وہ نئے عزم اور حوصلے سے رانا کو گھیرنے اور گرفتار کرنے کی تدبیریں کرتا رہتا تھا۔ اس نے اپنے لشکر کے دلیر اور ہوشیار سپاہیوں کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنائیں۔ یہ دشمن اور اس کے آدمیوں کا کھوج لگانے والی ٹولیاں تھیں۔ شہزادے کے حکم کے مطابق یہ دن رات پہاڑ کی گھاٹیوں اور غاروں میں دشمنوں کو تلاش کرتی پھرتی تھیں۔ جہاں کوئی دشمن نظر آتا اسے قتل کر دیتیں یا قید کر دیتی تھیں۔ رانا اب ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری پناہ گاہ تک بھاگا بھاگا پھرتا تھا لیکن خرم کی جاسوس ٹولیاں اسے سانس لینے کی مہلت نہیں دیتی تھیں۔ وہ برسات کا منتظر تھا تاکہ بارش کے سبب جنگلوں اور گھاٹیوں کے راستے پانی سے مسدود ہو جائیں اور شاہی فوجیں اس کا پیچھا کرنے کے لیے ندی نالوں کو عبور نہ کر سکیں۔

لیکن اس سے قبل ہی رانا کا حوصلہ پست ہو گیا کیونکہ اب اس کا علاقہ ویران ہو گیا تھا۔ کھیت اور فصلیں تباہ ہو گئیں تھیں۔ خزانہ خالی ہو گیا تھا۔ فوج قتل ہو گئی یا قید کر لی گئی تھی۔ اعزا و اقربا اپنے اپنے راستے چلے گئے تھے۔ رانا کا مان ٹوٹ گیا اور آن بان ختم ہو گئی۔ شاہی فوجوں نے اسے چاروں طرف سے نرغے میں لے کر بدحواس کر رکھا تھا۔ آخر اس نے شکست تسلیم کر لی۔ میواڑ کے راناؤں کا طرۂ امتیاز یہی تھا کہ آج تک کسی رانا نے کسی سلطان کے سامنے گردن نہیں جھکائی تھی اور نہ ہی اپنے کسی راجکمار کو کسی سلطان ذی شان کے دربار میں بھیجا تھا لیکن اس وقت شہزادہ خرم کے مقابلے پر آنے

www.pklibrary.net

والے رانا امر سنگھ نے اطاعت قبول کرلی اور جہانگیر کے دربار میں حاضری دینے کے لیے اپنے بیٹے راج کمار کرن کو شہزادہ خرم کے ساتھ کردیا۔

جب شہنشاہ کو اطلاع ملی کہ شہزادہ فتح یاب ہو کر واپس آرہا ہے اور اس نے اجمیر پہنچ کر پڑاؤ کیا ہے تو انہوں نے تمام امرا و دربار کو شہزادے کے استقبال کے لیے روانہ کردیا۔ ملکہ نورجہاں کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ اسے تو توقع نہیں تھی کہ ہزار سال سے راناؤں کی جو گردن اکڑی ہوئی تھی اسے شہزادہ خرم جھکادے گا۔

بہرحال ملکہ نے صبرو تحمل سے کام لیا اور خندہ پیشانی سے جہانگیر کو مشورہ دیا کہ فتح یاب شہزادے کے شایان شان اس کا استقبال ہونا چاہیے اور شکرانے کے طور پر جشن تلادان کی رسم ادا ہونی چاہیے۔ یہ رسم اس طرح ادا ہوتی تھی کہ ترازو کے ایک پلڑے میں شہزادے کو بڑے آرام سے بٹھایا جاتا اور دوسرے پلڑے میں سونا' چاندی اور دوسری قیمتی اشیا شہزادے کے وزن کے برابر تولی جاتی تھیں پھر یہ تمام چیزیں محتاجوں میں بانٹ دی جاتی تھیں۔

شہنشاہ میواڑ کی فتح اور رانا کی سرکوبی سے اتنے خوش تھے کہ شراب کے پیالے پر پیالے خالی کررہے تھے۔ شہزادہ فاتح کی حیثیت سے سامنے آیا تو انہوں نے ملکہ نورجہاں کے پاس سے اٹھ کر اسے گلے لگالیا اور پدرانہ محبت کے جوش میں اسے چوم کر پوچھا۔

"مانگو شہزادے! کون سی جاگیر مانگتے ہو؟"

خرم نے کہا "ابا حضور! آپ تاقیامت سلامت رہیں۔ جاگیریں تو ہمیں ملتی ہی رہتی ہیں۔ آج ہم اپنی عمر کے مطابق آپ کی ایک رضامندی کے طلب گار ہیں۔"

"بیٹے! آج ہم تمہاری رضا پر راضی ہیں۔ اپنا مطالبہ پیش کرو۔"

اس نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا "ہم یمین الدولہ آصف خان کی صاحبزادی کو اپنی شریک حیات بنانا چاہتے ہیں۔"

ملکہ نورجہاں نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ خرم جاگیر طلب کرنے کے بجائے محض ایک نواب زادی کا ہاتھ طلب کرے گا۔ جتنی دیر تک وہ سوچتی رہی اتنی دیر میں شہنشاہ نے اپنی رضامندی ظاہر کردی کہ شاہ بانو' خرم سے بیاہی جائے گی۔ اس خوشی میں وہ اور زیادہ پینے لگے۔ ملکہ بھی انہیں جان بوجھ کر پلانے لگی تاکہ

www.pklibrary.net

مدہوشی کے عالم میں ان سے اپنی بات منوا سکے۔

جب تلادان کے وقت شہزادہ خرم ایک پلڑے پر آکر بیٹھا تو ملکہ عالیہ ریشمی پردے کے پیچھے بیٹھی ساقی کا فرض ادا کر رہی تھی۔ اس نے سرگوشیوں میں جہانگیر سے پوچھا۔

"کیا شہزادہ خرم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہیں؟"

"ہاں۔ بے شک! وہ ہمارا فرماں بردار بیٹا ہے۔"

ملکہ نے سوال کیا "کیا شراب بری شے ہے؟"

"نہیں۔ اگر بری ہوتی تو ہم اسے منہ نہ لگاتے۔"

"مگر شہزادہ خرم اسے برا کہتے ہیں۔ اسے کبھی منہ نہیں لگاتے۔"

"کیوں نہیں لگاتا۔ جب شاہ نے منہ لگایا ہے تو شہزادہ بھی منہ لگائے گا اور ابھی لگائے گا۔"

یہ کہہ کر وہ لڑکھڑاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے ملکہ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"جان نور۔ شہزادے کے آگے پیالہ بڑھانے سے پہلے غور فرمالیں۔ اگر انہوں نے پینے سے انکار کیا تو حاضرین دربار باتیں بنائیں گے کہ جہاں پناہ کی پیش کش ٹھکرادی گئی ہے۔"

"کس کی مجال ہے کہ ہماری پیش کش کو ٹھکرادے۔ ابھی اس کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔" شہنشاہ کے دماغ میں شراب ناچ رہی تھی اور زبان سے نشہ بول رہا تھا۔ وہ نشے میں لڑکھڑاتے باہر آگئے۔ انہیں پردے کے باہر دیکھتے ہوئے حاضرین احتراماً کھڑے ہو گئے۔ شہزادہ بھی پلڑے سے اٹھنا چاہتا تھا کہ جہانگیر نے قریب آکر اس کی جانب پیالہ بڑھا کر کہا۔

"صاحب زادے بیٹھے رہو۔ تمہاری شاندار کامیابی کی خوشی میں آج ہم اپنے پیالے سے تمہیں پلانا چاہتے ہیں۔ لو ایک سانس میں پی جاؤ۔"

شہزادہ پریشان ہو کر اس پیالے کو دیکھنے لگا۔ ایک باپ نشے کی حالت میں اپنے بیٹے کو شراب پیش کر رہا تھا۔ وہ ایک بیٹے کی حیثیت سے انکار کر سکتا تھا لیکن فاتح میواڑ کی حیثیت سے ایک شہنشاہ کی پیش کش کو ٹھکرانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے

www.pklibrary.net

عاجزی سے کہا۔

"ابا حضور! ہماری کیا مجال کہ ہم آپ کے کسی حکم سے سرتابی کریں۔ ہم آپ کے ہاتھوں زہر کا پیالہ بھی نوش کرسکتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہم نے آج تک شراب کو ہاتھ نہیں لگایا ہے۔"

"تم نے بچپن میں تلوار بھی نہیں پکڑی تھی۔ پہلی بار فن سپاہ گری سیکھنے کے لیے ہم نے تمہارے ہاتھوں میں تلوار دی تھی۔ آج جوانی میں شراب کا پیالہ دے رہے ہیں۔ تم ہم سے بحث نہ کرو ورنہ ملکہ سمجھیں گی کہ تم ہمارے حکم کی تعمیل سے انکار کررہے ہو۔"

خرم نے چونک کر ریشمی پردے کی طرف دیکھا۔ چشم زدن میں ساری باتیں سمجھ میں آگئیں۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"اوہ! اچھا تو یہ سب ملکہ کی ایما پر ہورہا ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ ہم شراب کو منہ نہیں لگائیں گے اور اگر منہ نہیں لگائیں گے تو ابا حضور نشے کی حالت میں اسے اپنی توہین سمجھیں گے۔ ہم یہ کہنے کی جرات بھی نہیں کرسکتے کہ وہ حرام شے پی رہے ہیں اور بیٹے کو پلانا چاہتے ہیں۔"

یا اللہ ہم کس مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ ابھی ہم پر جو مہربانیاں ہورہی ہیں وہ ہمارے انکار پر قہر اور غضب میں بدل جائیں گی۔ خاص طور سے ملکہ عالیہ یہ چاہتی ہیں کہ شاہ بانو کا ہاتھ ہم سے چھین لیا جائے۔ ہم شراب کے ایک پیالے کو ٹھکرائیں گے' ابا حضور ہماری محبت کو اور تمام مسرتوں کو ٹھوکروں میں اڑا دیں گے۔"

ہم نے مہینوں جنگ لڑنے کے بعد میواڑ کو فتح کیا ہے۔ ملکہ عالیہ کی سیاسی چالبازی کو داد دینی چاہیے کہ وہ پردے میں بیٹھ کر ننھی سی چال چلتی ہیں۔ ہم باپ بیٹے کے درمیان صرف شراب کا ایک پیالہ رکھ کر ہماری فتح کو شکست میں بدل دینا چاہتی ہیں۔ اے عورت شیطان بھی تجھ سے پناہ مانگتا ہے۔ میں تو ایک انسان ہوں۔ میں تجھ سے شکست تسلیم نہیں کروں گا۔ شاہ بانو تک پہنچنے کے لیے میں زہر کا پیالہ نوش کروں گا۔ شراب حرام ہے لیکن..... محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔

یہ سوچ کر شہزادے نے شہنشاہ کے ہاتھوں سے جام لے لیا۔ ریشمی پردے کے پیچھے ملکہ

www.pklibrary.net

کا دھندلا سراپا جھلک رہا تھا۔ خرم نے اس سراپا کو طنزیہ نظروں سے دیکھا پھر سانس روک کر غٹاغٹ پیالے کی تمام شراب حلق سے نیچے اتارلی۔ تاریخ میں اور کہیں مثال نہیں ملتی کہ ایک بادشاہ نے اپنے ہاتھوں سے ایک مجبور بیٹے کو شراب پلائی ہو۔

ملکہ نورجہاں نے دل ہی دل میں اعتراف کیا کہ خرم میں ایک حکمران بننے کی پوری صلاحیت ہے کیونکہ اس نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر بروقت فیصلہ کرلیا کہ اسے فوری طور پر کون سا قدم اٹھانا چاہیے۔ اس دن کے بعد ملکہ محتاط ہوگئی اور خرم پر ایک کاری ضرب لگانے کے لیے کسی اچھے موقع کا انتظار کرنے لگی۔

پھر وقت گزرتا چلا گیا۔ اچھا موقع تقدیر ہی سے ہاتھ آتا ہے اور تقدیر ملکہ کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ اس دوران لاڈلی بیگم شہریار سے بیاہ دی گئی اور شاہ بانو نے شہزادہ خرم کے دل کی ملکہ اور شریک حیات بن کر ممتاز محل کا لقب پایا۔ شہزادے کی دلی مراد پوری ہوگئی تھی۔ ممتاز محل مل گئی تھی۔ اب جمنا کے کنارے ایک عالی شان محل تعمیر کرانے کی خواہش دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔ اس خواہش کی تکمیل اسی وقت ممکن تھی جب وہ مطلق العنان بادشاہ بن جاتا پھر ملکہ نورجہاں جیسی ہستیاں اس کے راستے کی دیوار نہیں بن سکتی تھیں۔ فی الحال وہ ایک عالی شان محل کے خواب دیکھ رہا تھا۔ ممتاز محل ایک تو حسن میں لاجواب اور شیریں گفتاری میں بے مثال تھیں۔ دوسرے یہ کہ آداب دانی' مزاج شناسی اور خدمت گزاری کے باعث خرم کے دل پر حکومت کررہی تھیں۔ ان کی خواب گاہ کے دائیں بائیں' آگے پیچھے کی تمام دیواروں پر جہاں نظر جاتی تھی' وہاں ممتاز محل کی روغنی تصویر نظر آتی تھی۔ وہ ایک پل کے لیے بھی اپنی بیگم سے جدا ہونا گوارا نہیں کرتا تھا۔ بیگم کو شہزادے کی شراب نوشی سے شکایت تھی۔ ہزار بار نہ پینے کا وعدہ کرنے کے باوجود شراب منہ کو لگ جاتی تھی۔ وہ ممتاز محل کا ہاتھ تھام کر قسم کھاتا تھا کہ وہ شراب کو ہاتھ نہیں لگائے گا لیکن جشن و جلوس کے موقعوں پر شہنشاہ جہانگیر اسے مجبور کردیتے تھے۔ ان کے حکم سے انکار کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے والد کو ناراض کرکے ہندوستان کے تاج و تخت سے محروم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس لیے محبت سے کھائی ہوئی قسم بھی باربار ٹوٹ جاتی تھی۔

تقریباً آٹھ برس تک ممتاز محل اور شہزادہ خرم کی محبت ایک ایسے خوش رنگ پھول

www.pklibrary.net

کی طرح کھلتی رہی جو کانٹوں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ اس دوران ممتاز محل کے بطن سے دو لڑکیاں حورالنساء بیگم اور جہاں آرا بیگم اور تین لڑکے دارا شکوہ' شجاع اور اورنگ زیب پیدا ہوئے۔ والدین اپنی اولاد سے ایک جیسی محبت کرتے ہیں لیکن شہزادہ خرم کو دارا شکوہ سے کچھ زیادہ ہی محبت تھی۔ وہ اس بیٹے کو ہمیشہ اپنے ساتھ لگائے رکھتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دارا شکوہ ناک نقشے کے اعتبار سے اپنی والدہ ممتاز محل سے مشابہت رکھتا تھا۔ خصوصاً وہ اپنی ماں کی بڑی بڑی آنکھیں اپنا کر پیدا ہوا تھا۔ جب وہ خرم کی طرف آنکھیں اٹھا کر دیکھتا تھا تو خرم کو یہی محسوس ہوتا کہ ممتاز محل دیکھ رہی ہے۔

یہ باتیں ظاہر کرتی تھیں کہ شہزادہ کس طرح دیوانہ وار اپنی بیگم سے محبت کرتا تھا اگر اسے کسی مہم پر جانا ہوتا تو وہی ایک ایسا موقع ہوتا جب وہ مجبوراً نامعلوم مدت کے لیے اپنی رفیقہ حیات سے بچھڑ جاتا تھا۔ ایسے وقت بھی بیگم کی کوئی تصویر ساتھ ہوتی تھی اور ان کے محبت نامے میدان جنگ تک پہنچتے رہتے تھے۔

ان ہی دنوں دکن کے تین سلاطین نظام الملک' قطب الملک اور عاقل خان نے باہم متحد ہو کر پچاس ہزار سپاہیوں کا لشکر جمع کر کے بالا گھاٹ کے شاہی محلات پر قبضہ کر لیا۔ وہاں کے اور منصب داران کے غلبے سے مجبور ہو کر وہاں سے بھاگ گئے اور مکر کے تھانے کو مستحکم کر کے تین ماہ تک بڑی جی داری کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے رہے۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس نے چاروں طرف سے راستے اس طرح بند کر دیے کہ غلے کی رسد پہنچنا ناممکن ہو گئی۔ انہوں نے جہانگیر کے پاس عرض داشت بھیجی کہ غلے کی نایابی اور دشمن کے غلبے کی وجہ سے ہمارا برا حال ہے اگر ہمیں سرکشوں کے محاصرے سے نہ نکالا گیا تو ہم بہادر راجپوتوں کی طرح جوہر کی رسم ادا کر کے جان دے دیں گے۔

ہندوؤں کی اصطلاح میں جوہر کے معنی یہ ہیں کہ جب جان پر بن جائے اور امیدیں ختم ہو جائیں تو راجپوت پہلے اپنی عورتوں کو قتل کر دیتے ہیں تاکہ دشمن ان کی عزت تک نہ پہنچ سکیں۔ اس کے بعد وہ اپنے دشمنوں سے لڑتے لڑتے اپنی جانیں دے دیتے ہیں۔ جب جہانگیر نے اس عرض داشت کا مضمون سنا تو اس مہم کو سر کرنے کے لیے خرم کو دکن کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔

خرم نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد شہنشاہ سے عرض کی۔

www.pklibrary.net

"دشمن کی فوج کا زور شور پہلے سے بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے برہان پور کا بھی محاصرہ کرلیا ہے لہٰذا اس سلسلے میں ایک عرض ہے کہ جس طرح رانا سانگا کی لڑائی میں فردوس مکانی حضرت ظہیرالدین محمد بابر نے شراب سے توبہ کی تھی اور خدائے پاک نے اُن کی دعا قبول کرکے انہیں فتح عطا فرمائی تھی۔ اسی طرح ہم بھی شراب سے توبہ کرکے اپنے پروردگار سے دعا مانگیں اور فتح حاصل کریں۔"

جہانگیر نے مصلحت وقت کے مطابق شہزادے کے اس خیال سے اتفاق کیا اور اسے توبہ کی اجازت دے دی۔ شہزادے نے جب دریائے چنبل کے کنارے پڑاؤ کیا تو اس روز اس کی تیسویں سالگرہ تھی۔ سالگرہ کا جشن بڑے ہی تزک و احتشام سے منایا گیا۔ شہزادے نے عیش و طرب کی محفلوں میں حکم دیا کہ ساری شراب دریائے چنبل میں بہادی جائے۔

حکم کی تعمیل کی گئی۔ شراب دریا میں بہادی گئی۔ ساقی خانے میں جتنے جام و صبو تھے، انہیں شہزادے کے سامنے توڑ کر محتاجوں میں تقسیم کردیا گیا۔ شہزادے نے اسی وقت ممتاز محل کے نام ایک خط لکھا اور اسے ایک شکستہ صبو کے ساتھ روانہ کیا۔ خط میں لکھا تھا۔

اب سے آٹھ برس پہلے ملکہ عالیہ ای حضور نے ابا حضور کی وساطت سے ہمیں جس لعنت میں مبتلا کیا تھا، آج وہ لعنت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دریا میں بہادی گئی ہے۔ پہلے ہم قسم توڑتے تھے آج ہم نے صبو توڑ دیا ہے۔ دعا کریں کہ ہمارے پایہ استقلال میں کبھی لغزش پیدا نہ ہو۔"

ممتاز محل نے جب یہ خط پڑھا اور ٹوٹے ہوئے صبو کو دیکھا تو خوشی سے کھل گئیں انہوں نے اسی وقت دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی پھر جواباً ایک خط تحریر کیا کہ "اللہ تعالیٰ انہیں عزت دیتا ہے جو ذلت سے دامن بچانے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ کردار کی یہی پختگی آپ کو تخت شاہی تک لے جائے گی۔ ہم اس حسین عالی شان محل کا مبہم سا خاکہ دیکھ رہے ہیں جس کا وعدہ آپ نے فرمایا تھا۔"

ممتاز محل کا یہ خواب ابھی حقیقت سے بہت دور تھا۔ اگرچہ جہانگیر نے شہزادے کو دکن کی مہم پر روانہ کرتے وقت شاہجہاں کا خطاب دیا تھا جو بادشاہت کی شان رکھتا تھا

www.pklibrary.net

تاہم ملکہ نور جہاں ابھی تک ملک کے سیاہ و سفید کی مالک تھی۔

جب شاہجہاں دکن کی مہم سے کامیاب ہو کر مانڈو پہنچا تو جہانگیر کے نام ایک عرض داشت میں پرگنہ دھول پور کو اپنی جاگیر میں مانگ لیا اور اپنے ملازم تعینات کر دیئے لیکن یہ عرض داشت پہنچنے سے پہلے ملکہ یہ پرگنہ اپنے داماد کو دے چکی تھی۔ وہاں شہریار کا گماشتہ شریف الملک موجود تھا۔ جب شاہجہاں کا نائب وہاں پہنچا تو دونوں میں لڑائی ہو گئی۔ شریف الملک کی آنکھ میں ایک تیر لگا جس سے وہ کانا ہو گیا۔ ملکہ عالیہ کو فساد کی آگ بھڑکانے اور جہانگیر کو شاہجہاں کے خلاف بھڑکانے کا ایک اچھا موقع مل گیا۔

شاہجہاں نے ایک معذرت آمیز عرض داشت کے ساتھ دیوان افضل خان کو جہانگیر کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ کسی طرح اس ہنگامے کو ختم کیا جائے لیکن ملکہ اچھی طرح آگ لگا چکی تھی۔ اس نے جہانگیر کو سمجھا دیا تھا کہ شاہجہاں مسلسل فتوحات سے مغرور ہو گیا ہے۔ شہنشاہ کے حکم سے جو جاگیر شہریار کو دی گئی تھی اس نے اس پر جبراً قبضہ کر لیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ شہزادے اسی طرح بغاوت کا آغاز کرتے آئے ہیں۔"

ایسے وقت آصف خان نے اپنے داماد کی طرف سے صفائی پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر ملکہ کا جادو سرچڑھ کر بول رہا تھا۔ داماد کی طرفداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملکہ اس کی بھی دشمن بن گئی۔ اس نے مہابت خان کو طلب کیا جو آصف خان کا دشمن تھا اور شاہجہاں سے بھی خلوص نہیں رکھتا تھا۔ مہابت خان نے کابل سے لکھا۔

"جب تک آصف خان آپ کے حضور ہے، میرا آنا ممکن نہیں ہے۔ اگر شاہجہاں کا زور توڑنا منظور ہے تو آصف خان کو بنگال کی صوبے داری پر رخصت کیجئے۔ میں خدمت کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔"

جہانگیر نے مہابت خان کی خواہش کے مطابق آصف خان کو خزانہ لانے کے بہانے آگرے سے روانہ کر دیا اور یہ حکم بھی صادر کیا کہ شاہجہاں کے دو آبے والی جاگیر اس کے نام سے کاٹ کر شہریار کی تنخواہ میں دے دی جائے۔ شاہجہاں نے جب یہ خبر سنی تو باپ کے دل سے کدورتیں دور کرنے کے لیے لشکر کے ساتھ لاہور روانہ ہو گیا۔ جہانگیر کو یہ اطلاع دی گئی کہ شہزادہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کرنے آ رہا ہے۔ وہ لاہور سے آگرہ چلا آیا۔ یہاں آکر شہزادے کے خلاف جو مہم ترتیب دی گئی اس کا انتظام اور

www.pklibrary.net

سپہ سالاری مہابت خان کو تفویض کی گئی۔

شاہجہاں نے کوٹلہ میوات میں آکر راجہ بکرماجیت، داراب خان اور اپنے دیگر امرا کو مہابت خان کے مقابل کھڑا کر دیا۔ جنگ شروع ہوگئی تو دونوں طرف کے سپاہی شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے لگے۔ اس معرکے میں شاہجہاں کا لشکر غالب آرہا تھا لیکن بات بنتے بنتے بگڑ گئی۔

ہوا یہ کہ شاہجہاں کا سپہ سالار بکرماجیت جو بہادری سے لڑتا ہوا لشکر شاہی کو دباتا ہوا چلا آرہا تھا۔ ایک نیم جان بندوقچی کے پاس سے گزرا۔ اس کے ہاتھ میں بھری ہوئی بندوق تھی، فیتا سلگ رہا تھا جونہی راجہ بکرماجیت ادھر سے گزرا بارود کو آگ لگ گئی اور گولی اس کا سینہ توڑتی ہوئی نکل گئی۔ وہ وہیں مرگیا وہ راجہ شہزادے کا چنیدہ سردار اور بہت باتدبیر سپہ سالار تھا۔ اس کے مرتے ہی فوج کی ہمت پست ہوگئی۔ شاہجہاں نے اپنی فوج میں ابتری دیکھی تو ثابت قدم نہ رہ سکا۔ مجبوراً میدان سے ہٹ کر مانڈو چلا گیا۔

مہابت خان اس کا پیچھا کرتا چلا آرہا تھا۔ مانڈو پہنچ کر شاہجہاں نے رستم خان کو فوج کا سپہ سالار بنایا لیکن شاہجہاں کی قسمت میں ابھی ناکامیاں اور زمانے بھر کی ٹھوکریں لکھی ہوئی تھیں۔ وہاں رستم خان نے غداری کی اور مہابت خان سے جاکر مل گیا۔ شاہجہاں دریائے نربدا کو عبور کرکے دوسری طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے تمام کشتیاں اپنی طرف جمع کرکے شاہی فوج کے لیے ناکہ بندی کردی۔ وہاں سے قلعہ اسیر میں آکر خان خاناں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مہابت خان سے صلح کی بات چیت کرے۔ خان خاناں نے قرآن مجید کی قسم کھائی کہ وہ فریقین کے درمیان پوری دیانت داری سے صلح کرانے کی کوشش کرے گا۔ جب وہ دریائے نربدا کے پار مہابت خان کی طرف چلا گیا تو اسی رات جہانگیر کے لشکر کے کچھ سپاہیوں نے شاہجہاں کے سپاہیوں کو غافل پاکر ساحل نربدا کی ناکہ بندی توڑ دی۔ جہانگیری لشکر کو غالب آتے دیکھ کر خان خاناں اپنی قسم سے پھر گیا اور مہابت خان کی فوج میں شامل ہوگیا۔

شاہجہاں دل برداشتہ ہوکر دکن کی طرف روانہ ہوگیا۔ راستے میں کتنے ہی امیر، سردار اور دوسرے ملازمین ساتھ چھوڑتے گئے اور اس کا دل توڑتے گئے۔ قدم قدم پر اسے چرکے لگ رہے تھے۔ وقت بدل رہا تھا۔ ساتھیوں کے مزاج بدل رہے تھے۔ موسم

www.pklibrary.net

بدل رہا تھا۔ وہ کبھی کپکپا دینے والی سردی میں، کبھی آگ کی طرح دہکتی ہوئی دھوپ میں، کبھی طوفانی بارشوں میں ایک خانہ بدوش کی طرح مارا مارا پھر رہا تھا۔

ایسی بے یاری اور بے مددگاری کے عالم میں ممتاز محل کی محبت دل میں نئی امیدیں اور نئے حوصلے پیدا کرتی تھی۔ ان دنوں وہ راحت جاں بنگال میں تھی۔ آصف خان آگرے سے جاتے وقت اپنی بیٹی اور اس کے بچوں کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ شاہجہاں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی تھکن دور کرنے کے لئے بنگال جائے گا اور اپنی شریک حیات کی محبت بھری بانہوں میں کچھ عرصہ آرام کرے گا پھر تازہ دم ہو کر نئے سرے سے ایک لشکر ترتیب دے گا۔

اس خیال سے وہ اڑیسہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب ملکہ نورجہاں کو یہ اطلاع ملی تو اس نے اپنے خالو ابراہیم خان کو جو بنگال کا مستقل صوبے دار تھا، حکم دیا کہ شاہجہاں کا راستہ روکے اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنے راستے سے ہٹا دے۔ ابراہیم خان نے اڑیسہ کے شہر کٹک کے حاکم احمد بیگ خان کو لکھا کہ شہزادے کو آگے بڑھنے سے روک دو۔ شہزادہ وہاں سے راستہ بدل کر مچھلی پٹن پہنچ گیا۔

شہنشاہ جہانگیر، ملکہ نورجہاں اور مہابت خان چاروں طرف سے شاہجہاں کا راستہ روک رہے تھے۔ وہ فی الحال سیاست سے دور اپنی رفیقہ حیات کی آغوش میں جانا چاہتا تھا لیکن اس کے لیے محبت کے دروازے بھی بند کئے جا رہے تھے۔ ایسے وقت مچھلی پٹن کے سلطان قطب الملک نے وفاداری کا ثبوت دیا۔ اس نے بدحال اور بے وطن شہزادے کی دلجوئی کی اور حوصلہ افزائی کے لیے اپنے عاملوں کو حکم بھیج دیے کہ جہاں جہاں سے سواری گزرے وہ سب خدمت گزاری اور جاں نثاری کا پورا پورا حق ادا کریں۔

شاہجہاں وہاں سے پھر بہادر سپاہیوں کا ایک لشکر لے کر آگے بڑھا۔ کٹک کے حاکم احمد بیگ خان نے راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن جنگ میں شکست کھا کر سیدھا ابراہیم خان کے پاس بنگال پہنچا۔ وہاں آصف خان اور ممتاز محل کو یہ خبر ملی کہ شاہجہاں مسلسل ناکامیوں کا سامنا کرنے کے باوجود پھر ایک نئی فوج اور نئے حوصلوں سے آگے بڑھتا آرہا ہے۔

ابراہیم خان ہتھیاروں، کشتیوں، ہاتھیوں اور لشکر وغیرہ کی تیاری کر کے مقابلے کے

www.pklibrary.net

لیے آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے جہانگیر نگر (ڈھاکہ) میں آصف خان نے اپنے داماد کے آنے کا راستہ ہموار کردیا اور شاہجہاں دریائی راستوں سے ہوتا ہوا جہانگیر نگر کے شاہی محل میں شاہ بانو کے پاس پہنچ گیا۔

مدتوں کے بچھڑے ہوئے پھر مل گئے۔ شاہ بانو نے اپنے دل وجان کے مالک کو یوں تباہ حال دیکھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شہزادے نے فرط محبت سے آغوش میں لے کر کہا۔

"بیگم یہ کہاوت کہاں تک درست ہے کہ بادشاہوں پر بھی برا وقت آتا ہے۔ ہم شاید اسی لیے ناکامیوں کا منہ دیکھ رہے ہیں کہ مدتوں سے آپ کا منہ نہیں دیکھا تھا۔ محبت کا سہارا دنیا کا سب سے بڑا سہارا ہوتا ہے۔ اتنی طویل جنگ کے دوران جب اپنے پرائے سب ہی ہمارا ساتھ چھوڑ رہے تھے' اس وقت خدا کے بعد اس زمین پر صرف آپ کی محبت کا سہارا رہ گیا تھا۔ جب ہم نے اڑیسہ کے راستے آپ کے پاس آنے کا فیصلہ کیا تو اچانک ہی نصیب جاگنے لگے۔ ہم نے احمد بیگ خان کو شکست دی اور اڑیسہ پر قابض ہو گئے اور اب انشاء اللہ ابراہیم خان بھی شکست کھا کر اپنی بھانجی نورجہاں کی پناہ میں جائے گا۔"

شاہ بانو نے کہا "انشاء اللہ ہر قدم پر آپ کی کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔ ہماری محبت اور ہماری دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔"

"صرف دعائیں نہیں' آپ بھی ہمیشہ ساتھ رہیں گی۔ آپ کی رفاقت سے ہمارے حوصلے بلند رہتے ہیں۔ ہم نے آزمایا ہے کہ آپ کا ساتھ چھوٹتا ہے تو ساری دنیا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ بیگم! وعدہ کیجئے کہ اب ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے۔"

وہ دونوں وعدوں اور قسموں کی بندشوں میں بندھنے لگے۔ مدتوں بعد راحت جاں کی محبت نصیب ہوئی تو شہزادے نے حرم سرا سے باہر قدم ہی نہیں نکالا۔ اس نے عبداللہ خان فیروز جنگ کی سرداری میں ایک آراستہ اور بہترین تربیت یافتہ فوج ابراہیم خان سے مقابلے کے لیے بھیج دی۔ آصف خان تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے روزانہ جنگ کی خبریں حرم سرا تک پہنچاتا تھا۔

انہی دنوں خاندان مغلیہ کے دستور کے مطابق شاہجہاں نے گلابی عید کا جشن منایا۔

www.pklibrary.net

یہ جشن ہر سال ساون کی پہلی تاریخ کو شاہانہ شان و شوکت سے منعقد ہوتا تھا اور فارسی میں عید ترکان کہلاتا تھا۔ ایران کے بادشاہ بھی قدیم زمانے سے یہ عید مناتے آئے تھے۔ ممتاز محل کی قربت کو اور زیادہ رنگین اور پرلطف بنانے کے لیے بڑے پیمانے پر جشن منعقد کرنے کا حکم دیا گیا۔ دیگر شہروں کے حاکم اور امرائے نامدار نے شاہجہاں کی خدمت میں جواہرات سے مرصع صراحیاں پیش کیں۔ جو گلاب سے لباب بھری ہوئی تھیں۔ دوسرے خدمت گاروں نے سنہری اور روپہلی مینا کار صراحیاں اور پھولوں کے گلدستے پیش کئے۔ اس عید میں شاہ بانو گلاب کی خوشبوؤں میں بس گئی تھی۔ حرم سرا میں اس کے چاروں طرف پلپنا، چنبیلی، بیلا، موتیا، سوسن، گل یاسمین اور گلاب کے رنگا رنگ پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ ان کے درمیان شاہ بانو پھولوں کی ملکہ نظر آ رہی تھی۔ شاہجہاں نے اس ملکہ محبت کو بے پناہ محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج سے تقریباً ۹ برس پہلے اسی طرح پھولوں کی بہار آئی تھی۔ ہر پھول کا رنگ الگ تھا اور خوشبو الگ تھی۔ سب مل کر ایک گلستان و بوستان کی تکمیل کر رہے تھے۔ جب آپ نے گل فروش کے ہاں قدم رکھا تو پتا چلا کہ بہار کتنی جوان اور کتنی حسین ہے۔ وہاں پہلی بار ہم نے آپ کو پھولوں کی انجمن میں دیکھا۔ آپ خوشبوؤں میں سانس لے رہی تھیں اور سانس کی خوشبوئیں لٹا رہی تھیں۔ آج بھی آپ کو پھولوں کے ہجوم میں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے یہ کل کی بات ہو۔"

شاہ بانو نے کہا "جی ہاں یہ مینا بازار کا وہی گل رنگ ماحول ہے لیکن جمنا کا کنارہ نہیں ہے۔ ہم پانچ برس سے اس انتظار میں ہیں کہ آپ کو فتح نصیب ہوگی اور کب ہم جمنا کے کنارے اپنے خوابوں کی نگری میں جائیں گے۔"

"بیگم آپ کے خوابوں کی تعبیر جلد ہی سامنے آئے گی۔ حالات بتا رہے ہیں کہ ابا حضور کی فوج اور حکومت اندر سے کھوکھلی ہوتی جا رہی ہے اور جہاں پناہ دن رات نشے میں ڈوبے رہتے ہیں۔ دراصل ہم امی حضور کی سیاسی چالبازیوں کا مقابلہ کر رہے ہیں۔"

"یہ درست ہے کہ پھوپی حضور نے جہاں پناہ کو آپ کا دشمن بنا دیا ہے لیکن وہ شہریار جیسے ناکارہ داماد کو تخت پر نہیں بٹھا سکیں گی۔ وہ حضرت تو خود کو ہر وقت شراب کی سرمستیوں میں گم رکھتے ہیں۔"

www.pklibrary.net

"بیگم نئی اطلاعات کے مطابق شہریار رنگین محفلوں سے محروم ہوگیا ہے۔ شراب نوشی اور دیگر عیاشیوں میں پڑ کر کسی مرض میں گرفتار ہوگیا ہے۔ ابروؤں اور داڑھی مونچھوں کے بال گر گئے ہیں۔ آتشک کی وجہ سے تمام جسم میں پھوڑے نکل آئے ہیں۔ چہرہ ایسا بگڑ گیا ہے کہ کسی کا سامنا نہیں کر سکتا۔ خدا ایسے عبرت ناک انجام سے اپنے نیک بندوں کو محفوظ رکھے۔"

"واقعی یہ حالات بتا رہے ہیں کہ کامیابی آپ کے قریب آگئی ہے۔"

ممتاز محل کی زبان مبارک ہوئی۔ اسی وقت ایک قاصد نے آکر فتح کی خوش خبری سنائی کہ ابراہیم خان جنگ میں مارا گیا اور اس کی فوج نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔ اس فتح نے شاہجہاں کا حوصلہ بڑھا دیا۔ اب اس نے دارالسلطنت کو اپنی منزل بنا کر الہ آباد کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ پہلے سے طے ہو چکا تھا کہ شاہ بانو کا ساتھ ہر منزل میں رہے گا لہٰذا بیگم اور بچے بھی ساتھ روانہ ہوئے۔

رہتاس تک دو محبت کرنے والوں کا ساتھ رہا۔ قلعہ رہتاس میں پہنچتے ہی شاہ بانو دردِزہ میں مبتلا ہوگئیں۔ اسی سنگین قلعے میں ان کا چوتھا بیٹا مراد پیدا ہوا۔ شاہ بانو کی حالت بہت خراب تھی۔ آگے سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ مجبوراً شاہجہاں کو پھر ایک بار اپنی راحت جاں کی جدائی برداشت کرنا پڑی اور وہ شاہ بانو اور بچوں کو آصف خان کی نگرانی میں چھوڑ کر چلا گیا۔

مہابت خان اور سلطان پرویز شاہی لشکر کے سپہ سالار اور سردار تھے۔ وہ شاہجہاں کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔ جیسے ہی اس فوج نے گنگا کو عبور کیا، شاہی لشکر نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دونوں میں زبردست جنگ ہوئی۔ شاہی لشکر میں سپاہیوں کی بھاری تعداد دیکھ کر شاہجہاں کے کچھ بزدل سردار وہاں سے فرار ہوگئے۔ جو جاں نثار کرنے والے ساتھی تھے وہ جم کر مقابلہ کرتے رہے لیکن پھر ایک بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ اپنی جان بچانے اور پھر ایک بار نئے سرے سے لشکر ترتیب دینے کے لیے میدان جنگ سے ہٹ آیا۔

دوسری طرف ملکہ نورجہاں کی سیاسی چالبازی میں ایک لغزش پیدا ہوگئی۔ وہ شہریار کو ولی عہد بنانے اور تخت پر بٹھانے کی فکر میں تھی لیکن اب مہابت خان اور سلطان

www.pklibrary.net

پرویز کا ساتھ اسے کھٹک رہا تھا۔ سلطان پرویز شاہجہاں کا بھائی تھا اور مہابت خان کی سپہ سالاری میں شاہجہاں کو مسلسل شکست دیئے جارہا تھا۔ ایسے وقت میں جب شہریار ناکارہ تھا اور شاہجہاں پسپا ہو رہا تھا۔ وہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر سکتا تھا اس کا زور توڑنے کے لیے ملکہ نے فیصلہ کیا کہ مہابت خان کو اس سے توڑ لیا جائے اور اسے دارالسلطنت میں بلا کر قید کر لیا جائے۔

جب مہابت خان کو حاضر دربار ہونے کا حکم ملا تو وہ کھٹک گیا۔ وہ میدان جنگ کا کھلاڑی تھا۔ ملکہ عالیہ کی بدلتی ہوئی چالوں کو سمجھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ تن تنہا دربار میں جائے گا تو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ اب اس اہم فیصلے کی گھڑی آگئی تھی کہ اسے کس کا حکم ماننا چاہیے اور کس کا ساتھ دینا چاہیے۔ ملکہ عالیہ کا ساتھ 'سلطان پرویز کا ساتھ 'شاہجہاں کا ساتھ کس کا ساتھ مناسب رہے گا۔

ملکہ نور جہاں شہریار جیسے نااہل شہزادے کو تخت پر بٹھانا چاہتی تھی۔ حالات سے ظاہر تھا کہ وہ بری طرح ناکام رہے گی کیونکہ امرا اور معززین دربار شہریار اور ملکہ کا مستقل اقتدار کبھی پسند نہ کرتے۔ دوسرا سلطان پرویز تھا۔ وہ ابتدا ہی سے جہانگیر کی فرمانبرداری کرتا آیا تھا۔ وہ نہ تو ایک اچھا سپہ سالار تھا اور نہ ہی حکومت کے پیچیدہ معاملات کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس میں اپنے طور پر فیصلہ کرنے کی صلاحیتیں بھی نہیں تھیں۔ کسی بھی اہم معاملے میں دوسروں کے مشوروں کا ہمیشہ محتاج رہتا تھا۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ صرف شاہجہاں ایسا تھا جو نڈر اور بے باک تھا اور پچھلے پانچ برسوں سے پوری ثابت قدمی اور جواں مردی سے جہانگیری قوتوں کا مقابلہ کرتا رہا تھا۔ اگر مہابت خان ملکہ کی چالبازیوں سے محفوظ رہنے کے لیے شاہجہاں کے پاس جاتا تو اسے یقیناً پناہ مل جاتی۔

یہ سوچ کر اس نے پہلے آصف خان سے صلح کی اور اس کے ذریعے شاہجہاں تک معافی کی درخواست روانہ کی۔ آصف خان اور ممتاز محل نے بھی شاہجہاں کو اپنی طرف سے خطوط لکھے کہ مہابت خان آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہے۔ یہ اچھا موقع ہے اگر اس کی پچھلی غلطیوں کو معاف فرما کر اسے اپنے اعتماد میں لیا جائے تو جنگ کا نقشہ بدل جائے گا۔ وہ ایک مانا ہوا باتدبیر اور تجربے کار سپہ سالار ہے۔ ہماری پناہ میں آئے گا تو شاہی لشکر کی کمر ٹوٹ جائے گی۔ آپ اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھائیں۔

www.pklibrary.net

آصف خان اور ممتاز محل کا مشورہ قابل قبول تھا۔ وقت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ مہابت خان جیسے دلیر اور تجربے کار سپہ سالار کو اپنی فوج میں شامل کرلیا جائے۔ جب وہ سلام اور کورنش بجالانے کے لیے شہزادے کے خیمے میں حاضر ہوا تو اس کی پچھلی تمام غلطیاں معاف کردی گئیں۔ شہزادے نے آئندہ عنایات شاہانہ کا وعدہ کرکے اسے اپنے اعتماد میں لے لیا۔

آصف خان اپنی صاحب زادی شاہ بانو اور نواسے اور نواسیوں کو لے کر آگرہ آگیا۔ ان دنوں شہنشاہ جہانگیر کشمیر میں تھے اور وہاں سے لاہور کا سفر کررہے تھے۔ جہانگیر کا آخری وقت آپہنچا تھا۔ وہ ایک مدت سے منشیات کا عادی تھا۔ اس عادت کی وجہ سے وہ دمے کا مریض بن گیا تھا۔ بعض اوقات اس پر انتہائی شدت سے کھانسی کا دورہ پڑتا تھا۔ کشمیر سے لاہور کے سفر کے دوران بھنبھر کے پڑاؤ میں اس پر زبردست دورہ پڑا اور اس دورے نے اس کی جان لے لی۔

ایسے وقت میں شاہجہاں وہاں سے سیکڑوں میل دور مہابت خان کی سپہ سالاری میں دکن کے علاقے فتح کررہا تھا۔ آصف خان نے بنارسی نام کے ایک شخص کو جو فیل خانے کا ناظر تھا اور تیز رفتاری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، شاہجہاں کے پاس روانہ کیا۔ عریضہ لکھنے کی مہلت نہ تھی لہٰذا زبانی تمام باتیں سمجھا کر نشانی کے طور پر اپنی انگوٹھی دی کہ اسے پیش کردینا۔

شہریار نے باپ کے مرتے ہی ان امرا اور وفاداروں کے خزانوں پر قبضہ کرلیا جو شاہجہاں کے حامی تھے اور آصف خان سے متفق تھے۔ جو مطلب پرست اس کے اردگرد جمع ہوچکے تھے، ان پر شاہی خزانے کا روپیہ بے دریغ لٹارہا تھا۔ خود عیش و عشرت میں پڑکر ایسے نالائق آدمیوں کو ایک فوج ترتیب دینے کا حکم صادر کیا جنھوں نے کبھی میدان جنگ کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ کچھ بے ترتیب پرانی فوج تھی، کچھ بے سروپا نئے سپاہی جمع کیے گئے۔ اس طرح پندرہ ہزار سپاہیوں کی ایک فوج شاہجہاں کے خلاف تیار کی گئی۔

شہریار نے جن امرا کے خزانوں پر قبضہ کیا تھا، وہ سب اس سے بدظن ہوکر آصف خان سے مل گئے۔ آصف خان نے ان کی مدد سے ایک فوج تیار کی اور شہریار کے مقابلے پر آگیا۔ اس سے پہلے اس نے ملکہ نورجہاں کو اپنی رہائش گاہ میں نظربند کردیا تھا۔ وہاں

www.pklibrary.net

کسی کو آنے جانے اور ملکہ سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہاں پہریداری کے لیے چند ایسی سخت مزاج عورتیں متعین کی گئیں جو ملکہ کو خاطر میں نہ لاتی تھیں۔ اس طرف سے مطمئن ہوکر آصف خان شہریار کی گوشمالی کے لیے مقابلے پر آیا۔ وہ اپنے داماد شاہجہاں کی آمد تک اس کے راستے کے تمام کانٹے صاف کر دینا چاہتا تھا۔

ان دنوں سپہ سالاروں کا قاعدہ تھا کہ لڑائی میں ہاتھی پر سوار ہوکر میدان جنگ میں آتے تھے تاکہ دوست دشمن' سوار اور پیدل سب کی نظریں ان پر پڑتی رہیں۔ دوستوں کا حوصلہ بندھا رہے اور دشمنوں کا حوصلہ پست ہوتا رہے۔ سب پر ان کی شجاعت اور ثابت قدمی ظاہر ہو اور اس طرح جنگ کا نقشہ جما رہے لہٰذا اس روز آصف خان ہاتھی کی عماری میں سوار ہوکر ہر طرف نگاہیں دوڑاتا اور بہادروں کو پیش قدمی پر مائل کرتا رہا۔ شہریار کی فوج میں نہ تو نظم و ضبط تھا اور نہ کوئی تجربے کار سپہ سالار تھا۔ چند ہی گھنٹوں میں آصف خان نے میدان مار لیا۔ دشمن کے سپاہی منتشر ہوکر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ شہریار بھی گھبرا کر وہاں سے بھاگا۔ اس پر خوف و ہراس اس طرح طاری ہوا کہ فرار ہونے کا راستہ بھی سجھائی نہ دیا۔ وہ بدحواس ہوکر قلعہ لاہور میں آکر بیٹھ گیا۔ وہاں افضل خان میرسامان موجود تھا۔ اس نے شاہجہاں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اسے قید کر دیا۔ اگلے روز آصف خان لاہور میں داخل ہوا۔ قلعے میں آکر اس نے سب سے پہلے شہریار کی آنکھوں میں سلائی پھروا دی تاکہ فتنہ و فساد کا راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جائے۔

کچھ عرصے بعد شاہجہاں شاہانہ انداز سے آگرے میں داخل ہوا۔ اپنی شہزادگی کے زمانے میں جہاں وہ رہائش پذیر تھا' اسی رہائش گاہ میں اس نے بارہ دنوں تک قیام کیا کیونکہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونے کے لیے نجومیوں نے جو تاریخ مقرر کی تھی۔ اس میں بارہ دن کی دیر تھی۔

تخت نشینی سے ایک دن قبل شاہجہاں نے اپنی بیگم ممتاز محل کی تاج پوشی کا جشن حرم سرا کی چہار دیواری میں منعقد کیا۔ ممتاز محل نے کہا۔

"خاندان مغلیہ میں بادشاہ سے پہلے کبھی ملکہ کی تاج پوشی نہیں ہوئی۔ کیا آپ نئی طرح ڈال رہے ہیں؟"

"ہم تاج پوشی کے نام پر محبت کی طرح ڈال رہے ہیں۔ ایک اندھی نے پیش گوئی

www.pklibrary.net

نہیں کی تھی بلکہ خود اس گل فروش کی پیش گوئی تھی کہ ملکہ ہند کا تاج آپ کے سر پر جگمگائے گا۔ وہ گل فروش بھی اس وقت آپ کے سامنے موجود ہے۔"

ممتاز محل نے حرم سرا کے دربار میں نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ بوڑھی عورت دونوں ہاتھوں میں موتیے اور بیلے کے ہار لیے کھڑی تھی۔ شاہجہاں نے چاندی کے تھال سے ایک خوب صورت سا نازک سا تاج اٹھایا اور ممتاز محل کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"آج سے آپ تخت سلطنت کی زینت، تاج شاہی کی زیب آرائش عالم، آبروئے ہندوستان اور فخر شاہجہاں ہیں۔"

تمام بیگمات مبارک سلامت کہتی ہوئی ملکہ کے حضور بیش قیمت تحفے پیش کرنے لگیں۔ گل فروش کے پاس پھولوں کا ہار تھا۔ جب اس نے شاہجہاں کے حکم سے آگے بڑھ کر ملکہ کو وہ ہار پہنایا تو ملکہ ممتاز نے فرط مسرت سے کہا۔

"اس خوشی کے موقع پر ہمیں جو تحائف پیش کئے جا رہے ہیں، ان میں ہیرے موتی، لعل وگوہر اور سچے موتیوں کی مالائیں ہیں۔ ان میں ہر چیز کی قیمت لگائی جا سکتی ہے لیکن ہمارے پھولوں کا یہ ہار انمول ہے۔ پہلے ایک ہار خواب بن کر آیا تھا، آج تعبیر بن کر ہمارے گلے کا ہار بن گیا ہے۔ ہم تم سے بے حد خوش ہیں اور اس خوشی میں تمہیں میوات کی جاگیر عطا کرتے ہیں۔"

گل فروش خاتون کے دن پھر گئے۔ وہ دعائیں دیتی ہوئی ایک طرف ادب سے کھڑی ہوگئی۔ اس کے بعد ممتاز محل نے ان خادماؤں کو بھی انعام دیے جو اچھے برے وقت میں اس کی خدمت کرتی رہی تھیں۔

دوسرے دن تخت نشینی کے وقت شاہجہاں کو فضل ربانی، ظل سبحانی، شاہ دیندار، شہنشاہ عدالت شعار، فخر سعادت و اقبال صاحب قرآن ثانی کے القاب سے نوازا گیا۔ امرائے سلطنت نے اس خوشی کے موقع پر بے شمار نقارے بجوائے۔ سلطنت مغلیہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک شہروں اور دیہاتوں کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ جگہ جگہ عیش طرب اور نغمہ و سرود کی محفلیں سجائی گئیں۔

شاہجہاں نے قدر شناسی کے طور ارکان سلطنت میں سے ہر ایک کا خطاب مقرر کیا اور حکم دیا کہ درباری منشی فرمان وغیرہ میں یہی خطابات بعینہ لکھا کریں تاکہ ہر شخص کے

www.pklibrary.net

رتبے کا حق ادا ہوتا رہے۔

جب ظل سبحانی، صاحب قرآن ثانی شہاب الدین شاہجہاں دربار خاص وعام سے اٹھ کر حرم سرائے شاہی میں تشریف لائے تو شاہ ارجمند بانو بیگم، ممتاز محل نے اپنے ہاتھوں سے شہنشاہ کے سر پر روپوں، اشرفیوں اور لعل وگوہر سے بھرے ہوئے خوان نچھاور کئے۔ شہنشاہ نے اپنی ملکہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر فرط محبت سے کہا۔

"آج سے ہماری ایک نئی خوش حال زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ ہماری ملکہ کی کوئی آرزو ہو تو بیان کریں۔ ہم اسے ابھی پورا کریں گے۔"

"عالی جاہ نے برسوں پہلے ایک وعدہ کیا تھا۔ ہماری آرزو ہے کہ وہ وعدہ ایفا ہو جائے۔"

"جان شاہجہاں کو اپنا وعدہ یاد ہے۔ ہم آپ کے لیے ایک ایسا خوب صورت اور جاذب نظر محل تعمیر کرائیں گے جو رہتی دنیا تک ہماری لازوال محبت کی یادگار بنا رہے گا۔ ہم اندرون ملک اور بیرون ملک سے ماہرین تعمیرات کو مدعو کریں گے۔ ہمارے خوابوں کے اس محل کا جو سب سے اعلیٰ نمونہ پیش کرے گا، ہم اسے سونے چاندی میں تول دیں گے۔"

شاہجہاں نے حسب وعدہ اعلان کرا دیا۔ اس اعلان کو سن کر بے شمار ماہر فن معمار خوب سے خوب تر نمونہ تیار کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ مہینوں ان کی کاوشوں کے بعد کتنے ہی فن کاروں نے اپنی دانست میں حسین اور لاجواب نمونے پیش کیے جو واقعی قابل تعریف تھے لیکن ملکہ اور شہنشاہ کے مزاج اور معیار کے مطابق نہیں تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ شہنشاہ کے تصور میں کس طرح کا انوکھا محل جگمگا رہا ہے۔

حکومت کے معاملات اتنے پیچیدہ تھے کہ وہ دو محبت کرنے والے اپنے تصوراتی محل کی تکمیل پر توجہ نہیں دے سکے۔ دور دراز صوبوں کے حاکم اور دوسرے راجے مہاراجے بغاوت اور فتنہ انگیزیوں پر اتر آئے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لیے کبھی مختلف سالار شاہی لشکر لے کر جاتے تھے اور کبھی شہنشاہ خود ہی دشمنوں سے نمٹنے کے لیے میدان جنگ میں پہنچ جاتے۔ اس طرح کئی سال گزرتے چلے گئے۔

ان ہی دنوں کابل کے صوبے دار لشکر خان نے شہنشاہ کے پاس ایک عرض داشت

www.pklibrary.net

بھیجی جس میں لکھا تھا کہ علاقہ تیراہ کے پٹھان اور خاص طور پر غور خیل قبیلے کے لوگ ایک مجہول شخص کو پیر مانتے ہیں اور اس پیر کو "یزداں شناس" کہتے ہیں۔ اس کی پیروی میں احکام شریعت کو بھول کر الٹے سیدھے عقائد میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ عقائد اور رسوم یہ تھیں کہ پیر کے مرید نکاح کے بغیر عورتوں کے ساتھ ہمبستری جائز سمجھتے تھے۔ محفل آراستہ کر کے گائے ذبح کرتے اور حاضرین کو کھلاتے اور قبل تہذیب کے انسانوں کی طرح اپنی پسند کی کسی بھی عورت کو استعمال میں لے آتے تھے۔ جب اس عورت کو چھوڑنا ہوتا تو ایک سنگریزہ اٹھا کر اس کے ہاتھ میں رکھ دیتے تھے۔ عورت کو وراثت سے محروم رکھتے تھے۔ اگر اس کے پاس جاگیر یا نقد روپے ہوتے تھے تو اس سے چھین کر کسی دوسرے مرد کے حوالے کر دیتے تھے۔ جب کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا تو گدھے کے کان کاٹ کر خون کے قطرے بچے کے منہ میں ڈالتے تاکہ بڑا ہو کر خونخواری اور گدھے پن میں کامل ہو۔ خونخواری کا یہ عالم تھا کہ جس قبیلے پر فتح پالیتے اسے نیست و نابود کر دیتے تھے۔ قبیلے کا کوئی شخص اگر قرض ادا نہ کرے تو اسے قتل کر دیتے تھے اور یہ کہتے کہ اس شخص نے ہمارے ہاتھ سے قتل ہو کر شہادت کا درجہ پایا ہے لہٰذا قیامت میں اسے قرضہ ادا نہیں کرنا پڑے گا۔

ان عقائد و رسوم کے مطابق جس کی لاٹھی اس کی بھینس تھی۔ وہ نادار کو زندہ نہیں چھوڑتے تھے اور نادار و قلاش لوگوں کو غلام بنا لیتے تھے۔ ان لوگوں میں اس قسم کی بے شمار برائیاں نسل در نسل چلی آ رہی تھیں۔

شاہجہاں کے حکم سے لشکر خان نے ان پر لشکر کشی کی۔ ان پر پوری طرح قابو پانے کے بعد انہیں احکام شریعت پر عمل کرنے کی ہدایت کی۔ جو شخص غلط راستہ اختیار کرتا اسے شریعت کے مطابق درے لگائے جاتے یا اسے قتل کر دیا جاتا۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ تمام بدعتیں اور خرافات ختم ہو گئیں اور شریعت اسلامی کا رواج ہو گیا۔

ایک حکمران کی نظروں میں مذہب کی بھی اتنی ہی اہمیت ہوتی ہے جتنی کہ سیاست کی۔ شاہجہاں کی نظروں میں محبت کی بھی اہمیت تھی لیکن سیاسی اور مذہبی فرائض کی انجام دہی میں محبت کا وہ خیالی محل تعمیر نہ ہو سکا۔ یوں تو اس حسن نظر رکھنے والے شہنشاہ نے اس دوران کتنی ہی شاندار عمارتیں، مسجدیں اور سرائے وغیرہ تعمیر کرائیں لیکن اسے

www.pklibrary.net

وہ فنکار نہ ملا جو اس کے خوابوں کے محل کو تراش کر زمین کے سینے پر کھڑا کر دیتا۔
رفتہ رفتہ وقت بوڑھا ہو رہا تھا اور لمحے جوان ہو رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے دارا شکوہ، شجاع، اورنگ زیب اور مراد جوان ہو گئے۔ چار عدد جوان بیٹوں کو دیکھ کر شاہجہاں نے سوچا کہ حکومت کا بوجھ اب تک تنہا ہمارے کاندھے پر تھا۔ اب بوجھ چاروں بیٹوں میں تقسیم ہو جائے گا اور ہم اطمینان سے محبت کے شبستان میں بیٹھ کر غور کریں گے کہ خوابوں کا محل تعمیر کی دنیا میں کس طرح تعمیر کیا جا سکتا تھا۔

یہ سوچ کر شہنشاہ نے محمد شجاع کو بنگال کا علاقہ دیا، اورنگ زیب کو دکن کے صوبے اور مراد کو گجرات کی ولایت پر متعین کیا۔ بڑے بیٹے دارا شکوہ کو نائب السلطنت ولی عہد کی حیثیت سے اپنی خدمت میں رکھا۔ وہ شہزادہ بچپن ہی سے عزیز تھا۔ ممتاز محل سے مشابہت رکھنے کے باعث ہر وقت بادشاہ کے دل میں سمایا رہتا تھا۔ شاہجہاں نے بیگم اور شہزادے شہزادیوں کے سامنے بارہا دارا شکوہ کی آنکھوں کی تعریفیں کی تھیں۔ اپنی بیگم سے کہا تھا کہ شکوہ کی آنکھوں میں آپ جھانکتی رہتی ہیں۔

ایسے دیوانے بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں جو سالہا سال اپنی شریک حیات سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے وہ نئی نویلی دلہن ہو۔ عشق کی انتہا یہ تھی کہ اسے اپنے بچوں کی آنکھوں میں بھی اس رفیقہ حیات کا جلوہ نظر آتا تھا۔ اب جب کہ تمام بیٹوں میں کاروبار حکومت تقسیم کر دیا گیا تھا، شہنشاہ کے سامنے صرف یہی ایک فرض رہ گیا تھا کہ وہ ملکہ سے کیا ہوا وعدہ ایفا کرے۔

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ وقت نے جب فرصت دی تو ممتاز محل کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ جس سے انسان کو زیادہ محبت ہوتی ہے وہی تقدیر کا نشانہ جلد بن جاتا ہے۔ ایک بچی کو جنم دیتے وقت ممتاز محل کی حالت بگڑ گئی۔ موت کے آثار نظر آنے لگے شہنشاہ کو اطلاع ملی تو وہ بے خود و بدحواس ہو کر حرم سرا میں تشریف لائے اور اضطراب کے عالم میں اس جان حیات کا ہاتھ تھام لیا جو جان چھوڑ رہی تھی۔ وہ نقاہت سے کہنے لگی۔

"آخری وقت ہے یہ روشنیاں میری آنکھوں میں چبھ رہی ہیں انہیں بھی بجھا دیجئے۔"

www.pklibrary.net

شاہجہاں کے حکم سے تمام فانوس ٹھنڈے کردیے گئے۔ صرف ایک شمع جلتی رہی۔ خواب گاہ کی تاریکی میں دور ایک شمع روشن تھی اور قریب ممتاز محل کا چہرہ ایسے روشن تھا جیسے چراغ۔ بجھنے سے پہلے ایک بار زور سے بھڑک کر روشن ہوتا ہے۔ شاہجہاں کے سامنے اس وقت کا ماحول ایسا تھا کہ ساری دنیا اندھیرے میں ڈوب گئی تھی۔ صرف ایک محبوب کا تابناک جلوہ تھا۔ بیگم نے کہا۔

"اس تاریکی میں آپ کو صرف ہم نظر آرہے ہیں۔ یہی ہماری آرزو ہے کہ ہمارے نام سے جو محل تعمیر ہو اس کی جگمگاہٹ اور ضوفشانی کے سامنے دنیا کے تمام محلوں کے چراغ بجھ جائیں۔ صرف ہمارا محل زمین کے ماتھے پر جھومر کی طرح جگمگاتا رہے۔"

"آپ کی یہ آرزو اب بہت جلد پوری کی جائے گی۔ آپ کے صحت یاب ہوتے ہی....."

ممتاز محل نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ہماری صحت یابی کا خیال دل سے نکال دیں۔ ہم شرمندہ ہیں کہ چند لمحوں سے زیادہ آپ کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔ آہ! کوئی ایسا نہیں جو یہ کہہ سکے کہ مجھے ایک آدھ گھڑی سے زیادہ خوشی نصیب ہوئی۔ دنیا میں راحت کم ہے اور رنج زیادہ۔ خواہ کنیز ہو یا بیگم کسی کے لیے مسرت کی میعاد ایک لمحے سے زیادہ نہیں۔"

یہ کہتے کہتے آنکھیں بند ہونے لگیں۔ دور شمع کی لو تھرتھرا رہی تھی۔ ملکہ حمیدہ صفات، مریم زماں رابعہ دوراں نواب ممتاز بیگم کا ہاتھ شاہجہاں کے ہاتھوں میں سرد پڑ گیا۔ شمع حیات کی لو بجھ گئی۔

شہنشاہ نے کبھی سوچا تک نہ تھا کہ اتنی جلدی جان سے زیادہ عزیز بیگم جدائی کا صدمہ دے جائیں گی۔ دل ودماغ کو ایسا صدمہ پہنچا کہ کئی روز تک ہوش وحواس سے بیگانہ رہے۔ امور سلطنت سے توجہ ہٹ گئی اور ہونٹوں پر ہمیشہ کے لیے مسکراہٹ رخصت ہوگئی۔ جان حیات کے رخصت ہونے کے کئی سال بعد تک رنگین لباس اور عطریات کو ہاتھ نہیں لگایا۔ عیدیں آتی تھیں اور بے کیفی کی حالت میں گزر جاتی تھیں۔ دن رات آنکھوں سے آنسو بہتے تھے۔ یہاں تک کہ آنکھوں میں غبار آگیا۔ بینائی کمزور پڑتی گئی۔ کہتے ہیں کہ محبت کی آنکھ سے ٹپکے ہوئے آنسوؤں نے تاج محل کی تخلیق کی ہے۔ ایسے

www.pklibrary.net

ہی وقت اس محل کا دھندلا دھندلا سا خاکہ شاہ کی دھندلائی ہوئی آنکھوں کے سامنے جھلملانے لگا۔

اس سوگوار شہنشاہ نے ایک درباری منشی کو طلب کیا۔ اسے حکم دیا کہ دن رات شاہ کے خلوت کدہ میں حاضر رہے۔ جب بھی چشم تصور میں وہ خیالی محل جگمگائے گا' شاہ اپنی زبان سے اس کی تفصیل بیان کریں گے اور منشی اسے لوح پر محفوظ کرتا رہے گا۔

کوئی شاہکار اس وقت تک تخلیق نہیں ہوتا جب تک فنکار کے دل پر چوٹ نہ پڑے۔ شاہ جہان کا دل درد سے آشنا ہو چکا تھا۔ ممتاز محل کی جدائی سے قیامت گزر رہی تھی اور وہ نادیدہ محل خیال کے روپ میں الہام بن کر ذہن کے دریچوں میں اتر رہا تھا۔

"لکھو منشی' ہمیں ایسے معمار کی ضرورت ہے جو صرف معماری کے فن میں ماہر نہ ہو بلکہ خیالات کی نزاکت اور خواب کی صداقت کو بھی سمجھتا ہو اور ہمارے خیالوں کے ذریعے خوابوں تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مغنی سات سروں سے اور شاعر لفظوں سے بولتا ہے۔ ہمیں ایسے معمار کی ضرورت ہے جو پتھروں کی زبان سے حسن کا قصیدہ پڑھتا ہو۔ اس دنیا میں جتنے صنم خانے ہیں' وہ پتھر سے تراشے گئے ہیں۔ وینس کا حسین مجسمہ پتھر کی زبان سے حسن کی دلکشی بیان کرتا ہے۔

ہمارا وہ محل سنگ مرمر سے تراشا جائے گا۔ بظاہر وہ سنگ مرمر کا ہوگا لیکن اس کی تراش میں اتنی نزاکت ہوگی اور ایسی جھلملاہٹ ہوگی جیسے ایک محبت کرنے والے شہنشاہ کے آنسوؤں کا ایک قطرہ جمنا کے کنارے ٹھہر گیا ہو اور چاندنی میں لرز لرز کر جھلملا رہا ہو۔

ہماری محبت کا وہ محل دنیا کے تمام محلوں کا تاج ہوگا۔ لہٰذا آج سے ہم اسے تاج محل کے نام سے یاد کریں گے۔

تمام شاعروں' مصوروں اور سنگ تراشوں تک یہ پیغام پہنچا دو کہ جو تاج محل کے سلسلے میں اچھوتے خیال پیش کرے گا۔ اس کا منہ موتیوں سے بھر دیا جائے گا۔"

شہنشاہ نے شاہی محل میں گوشہ تنہائی پسند کر لیا تھا۔ ممتاز محل کی یادوں نے اسے اسیر کر رکھا تھا۔ داراشکوہ سامنے ہوتا تو یوں لگتا جیسے بیگم اس کی آنکھوں میں جھانک رہی ہیں اور ابھی کچھ کہنے والی ہیں۔ شہنشاہ پیار کی دیوانگی میں مبتلا تھے۔ داراشکوہ اچھی طرح

www.pklibrary.net

جانتا تھا کہ وہ اپنے ابا حضور کی نظروں میں کتنا عزیز اور کتنا اہم ہے اس لیے کاروبار حکومت میں دخل اندازی کرتا تھا۔ باپ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی تو وہ ان کی پیار بھری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے طور پر احکامات صادر کرنے لگا۔ اس کی یہ حکمرانی دوسرے بھائیوں کی نظروں میں کھٹکنے لگی۔

جب شجاع' اورنگ زیب اور مراد کی طرف سے شکایات موصول ہونے لگیں تو شاہجہاں کو ہوش آیا۔ اتنی بات سمجھ میں آ گئی کہ اگر وہ محبت کا محل ہی تعمیر کرتے رہے تو بادشاہت کمزور پڑ جائے گی اور سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ حکومت کی سلامتی اور تمام بیٹوں کے درمیان صلح صفائی کرنے کی غرض سے وہ گوشہ تنہائی سے نکل آئے اور عنان حکومت سنبھال لی۔

انہی دنوں شیراز کے ایک فنکار نے تاج محل کا ایک خوب صورت نمونہ پیش کیا جو شہنشاہ کے خیالات کے عین مطابق تھا۔ انہوں نے اس محل کی تعمیر کا کام اس کے سپرد کردیا۔ اب ان کی مصروفیات کا یہ عالم تھا کہ تمام بیٹوں کو فرداً فرداً احکامات بھیجتے تھے اور نصیحتیں کرتے تھے کہ آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہیں۔ بھائی بھائی کی دشمنی سے تباہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ دارا شکوہ جو دن رات شہنشاہ کی نگاہوں کے سامنے رہتا تھا' اسے بھی برابر نصیحتیں کرتے رہتے کہ چھوٹے بھائیوں کے ساتھ ایسا سلوک کرو کہ وہ تمہیں حاکم کے بجائے صرف ایک مخلص بھائی سمجھتے رہیں۔ لیکن وہ سرچڑھا بیٹا تھا اکثر ایسی من مانی کرتا کہ دوسرے بھائی اس سے بدظن ہو جاتے تھے۔ ویسے بھی دوسرے بھائیوں کو شروع سے یہ شکایت تھی کہ جہاں پناہ دارا شکوہ کو سب سے عزیز رکھتے ہیں' خلوت ہو یا جلوت اپنے سے جدا نہیں کرتے ہیں۔ یہ باتیں نفاق کا بیج بو رہی تھیں اور وہ چاروں بیٹے شہنشاہ کے سنبھالے نہیں سنبھل رہے تھے۔

دوسری جانب خوابوں کا حسین تاج محل تعمیر ہونا شروع ہوگیا تھا۔ پہلے بنیاد پڑی پھر دیواریں اٹھنے لگیں۔ یہ ایک دو دن کا کام نہیں تھا۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ سنگ مرمر تراشے جارہے تھے اور زمین کی گود میں ایک دوشیزہ صفت محل انگڑائیاں لے رہا تھا۔ شہنشاہ اس زیر تعمیر محل کا اکثر معائنہ کرنے آتے تھے اور اسے دیکھ کر فرط مسرت سے کہتے تھے۔

www.pklibrary.net

"اے تاج محل! تو ہماری زندگی کا حاصل ہے۔ جب سے ہم نے شاہ بانو کے ساتھ محبت کا سفر شروع کیا ہے تب سے تو ہمارا ذکر ہے' ہماری فکر ہے' ہمارا ذوق ہے' ہمارا وجدان ہے اور ہماری محبت کی دائمی شان ہے۔

نہ جانے تو کب مکمل ہوگا۔ سال پہ سال گزرتے جارہے ہیں۔ ہماری کمر جھکتی جارہی ہے۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہوچکے ہیں۔ اب ہماری صرف یہی آرزو ہے کہ ہم تیرے مکمل سراپا میں تیرے حسن لازوال کا دیدار کریں۔

آج تک محبت ایک ان دیکھا جذبہ تھا۔ تیری تکمیل کے بعد محبت کو چھو کر دیکھا جاسکے گا۔ تیری دیواروں سے کان لگا کر ابدی نیند سونے والی ملکہ ممتاز محل کے دل کی دھڑکنیں سنی جاسکیں گی۔ تب دنیا یک زبان ہوکر کہے گی کہ محبت دیکھنے' چھونے اور سننے کی چیز بھی ہے۔"

محبت کے جذبوں میں بڑی ہی رنگینی اور دلکشی ہوتی ہے لیکن سیاست کی تلخیوں ایک بار پھر بوڑھے شہنشاہ کو زندگی کے عذاب میں مبتلا کردیا۔ اور حالات نے انہیں بیمار بناکر دوبارہ گوشہ نشین کربنا دیا۔

بیماری کے دوران شہنشاہ کا قیام دہلی میں تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ آخری وقت آگرہ میں گزاریں اور تاج محل کا دیدار کریں۔ آرزوؤں کا وہ محل تقریباً مکمل ہوچلا تھا لیکن دیدار کا موقع نصیب نہیں ہورہا تھا۔ بیماری وضعف اور ناتوانی کا ایسا غلبہ تھا کہ وہ غسل خانے تک نہیں جاسکتے تھے۔

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر داراشکوہ نے حکومت کے تمام معاملات اپنے اختیار میں لے لیے۔ تمام صوبوں کے نمائندے جو دارالسلطنت میں تھے۔ ان سے تحریری معاہدہ کرلیا کہ وہ دربار کی کوئی بات اپنے صوبے کے حاکم کو لکھ کر نہیں بھیجیں گے۔ اس پابندی کا مقصد صرف یہ تھا کہ دوسرے بھائیوں تک اس کے برسراقتدار آنے کی خبر فی الحال نہ پہنچے اور ان کی لاعلمی میں وہ تمام امرا اور معززین دربار کو رفتہ رفتہ اپنے اعتماد میں لے لے۔ اس مقصد کے لیے اپنے قابل اعتماد آدمیوں کو مختلف شاہراہوں پر متعین کردیا تاکہ دوسرے بھائیوں کے وکیل اور امرا وغیرہ کوئی خط ارسال نہ کرسکیں۔ بنگال' احمد آباد اور دکن کے راستوں کی ناکہ بندی کرادی۔ ان پابندیوں کے باوجود ڈاک چوکی اور ہرکاروں

www.pklibrary.net

کے ذریعے تمام صوبوں میں تشویش ناک خبریں پھیلتی چلی گئیں۔
شہنشاہ کو ان تمام باتوں کا علم ہوا تو انہوں نے صاحب زادے کو بلا کر کہا۔
"یہ حکومت کے اصول نہیں ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ تمہاری ناکہ بندیوں کے باعث دور دراز کے صوبوں میں ابتری پھیل رہی ہے۔ مفسد اور فتنہ پرور لوگ بغاوت پر اتر آئے ہیں۔ سوداگروں اور مسافروں نے آمدورفت ترک کر دی ہے۔ تجارت کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ اگر تم نے ہماری بیماری کی خبر عام نہیں کی تو لوگ ہماری عدم موجودگی سے یہی سمجھیں گے کہ ہم اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔"
دارا شکوہ نے کہا "خدا آپ کا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے ہم نے مصلحتاً ناکہ بندی کی ہے۔ آپ کی طویل بیماری نے آپ کو حکومت کے معاملات سے دور کر رکھا ہے لہٰذا آپ ہمارے بھائیوں کے بدلے ہوئے مزاج سے واقف نہیں ہیں۔ شہزادہ مراد بخش نے گجرات میں خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ شہزادہ شجاع نے بھی بنگال میں یہی روش اختیار کی ہے۔ اگر ان کی اس خودمختاری کا جواب نہ دیا گیا تو وہ حکومت کے نشے میں بڑھتے ہوئے دارالسلطنت تک چلے آئیں گے۔"
"ہم انہیں سمجھائیں گے۔ وہ ہماری اولاد ہیں، ہم سے نافرمانی نہیں کریں گے۔ تم درباری منشی کو طلب کرو۔ ہم ان کے نام خطوط روانہ کریں گے۔"
"ابا حضور! وہ سمجھانے سے نہیں سمجھیں گے۔ ہمیں طاقت کا جواب طاقت سے دینا ہوگا۔"
"کیا تم ہم سے زیادہ زمانے کا تجربہ رکھتے ہو۔ یہ تمہاری نادانی ہے کہ تم ہمارا فیصلہ بدلنے کی کوشش کر رہے ہو۔"
دارا شکوہ نے باپ سے آنکھیں ملاتے ہوئے کہا۔
"امی حضور بھی تو آپ کے فیصلے بدل دیا کرتی تھیں۔"
ممتاز محل کے ذکر پر شاہجہاں کے مزاج میں یکلخت نرمی آ گئی۔
دارا شکوہ کی آنکھوں سے بچھڑی ہوئی محبت جھانک رہی تھی۔ وہ اپنے باپ کی اس پیار بھری کمزوری کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے فوراً کہا۔
"ابا حضور! آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ آپ کسی صوبے کا انتظام ہمارے سپرد

www.pklibrary.net

کردیں، ہم یہاں نہیں رہنا چاہتے۔"

شہنشاہ اپنے اس بیٹے سے جدا نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ جان سے زیادہ عزیز تھا اور مرحومہ کی یاد تازہ کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"صاحب زادے! تم ہماری کمزوریوں سے کھیل رہے ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم تمہیں ایک دن کے لیے بھی جدا نہیں کرسکتے۔"

"ابا حضور! گستاخی نہ ہو تو ہم عرض کریں۔ آپ کو ہماری نہیں بلکہ ہماری آنکھوں کی ضرورت ہے۔ یہ آنکھیں ہمیں امی حضور سے ورثے میں ملی تھیں۔ ہم آپ کی اولاد ہیں اور آپ پر اپنی جان نچھاور کرسکتے ہیں لیکن ہم یہاں سے ضرور جائیں گے اور جانے سے پہلے یہ آنکھیں جو آپ کو عزیز ہیں انہیں نکال کر آپ کے قدموں میں رکھ جائیں گے تاکہ آپ کی کوئی کمزوری ہمارے پاس نہ رہے۔"

یہ بات سنتے ہی شہنشاہ کا دل لرز گیا۔ کوئی دشمن شہزادے کی آنکھیں نکالنے کی بات کہتا تو وہ اسی وقت اس کی گردن اڑا دیتے۔ وہ آنکھیں آئینہ تھیں۔ اس آئینے میں ممتاز محل کا عکس نظر آتا تھا۔ وہ آنکھیں جام جمشید کی طرح خوب صورت ماضی کی یاد دلاتی تھیں اور آئندہ تاج محل کی تکمیل کا یقین دلاتی تھیں۔ انہوں نے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

"ایسے منحوس کلمات منہ سے نہ نکالو۔ یہ آنکھیں تمہاری امی کا ایک خوب صورت عطیہ ہیں۔ انہیں عزیز جانو اور ان کی حفاظت کرو۔ ہم شجاع اور مراد کی بغاوتوں کو کچلنے کے لیے تمہاری جارحانہ ضد تو تسلیم کرسکتے ہیں لیکن ان آنکھوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ابا حضور! ہم باغی شہزادوں کی گوشمالی کے لیے ایک بھاری لشکر یہاں سے روانہ کرنا چاہتے ہیں لیکن ہمارے بہترین سپاہی اور سپہ سالار ان دنوں شہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ کئی ماہ سے بیجاپور کی مہم میں وقت ضائع کررہے ہیں۔ آپ اورنگ زیب کے نام فرمان جاری کردیں کہ وہ لشکر کو یہاں واپس بھیج دے تاکہ وہ لشکر ہمارے صاحب زادے سلیمان شکوہ کی قیادت میں شہزادوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے بھیجا جائے۔"

یہ مشورہ قابل قبول نہیں تھا کہ اورنگ زیب کی قیادت سے ایک لشکر چھین کر

www.pklibrary.net

دوسری مہم پر بھیجا جائے لیکن شہنشاہ بیٹے کی ضد کے آگے جھک گئے اور فرمان جاری کر دیا۔

شہزادہ اورنگ زیب بیجاپور کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ اس قلعے کو فتح کرنے کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ ایسے وقت شاہی فرمان موصول ہوا کہ فوج کو واپس بھیج دیا جائے۔ اورنگ زیب کو مجبوراً بیجاپور کے اسکندر بیہ عادل شاہ کی صلح کی پیش کش قبول کرنی پڑی۔ وہ سمجھ گیا کہ فرمان کے پیچھے داراشکوہ اس کی فتح کو ناکامی میں بدل رہا ہے۔ اس نے داراشکوہ کے خلاف منظم ہونے کے لیے شہزادہ مراد کو اپنے ساتھ ملالیا۔ وہ دونوں بھائی اپنی اپنی فوج کے ساتھ دریائے نربدا کے کنارے آکر متحد ہو گئے۔ ان کے مقابلے کے لیے جسونت سنگھ شاہی فوج کا سپہ سالار بن کر دریا کے دوسرے کنارے پر آگیا۔

ایسے وقت داراشکوہ نے اپنے باپ کو ان ہنگاموں سے دور رکھنے کے لیے مشورہ دیا۔

"ابا حضور! آپ کے لیے آب و ہوا کی تبدیلی بہت ضروری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ آگرہ جاکر آرام فرمائیں۔ تاج محل تکمیل کے مرحلے میں پہنچ گیا ہے۔ آپ نے بارہا اس محل کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو آپ کی روانگی کا انتظام کیا جائے۔"

شہنشاہ خود ہی اس آرزو میں تڑپ رہے تھے کہ کسی طرح تاج محل کو ایک نظر دیکھ لیں۔ وہ جانے کے لیے راضی ہو گئے۔ داراشکوہ نے ان کے سفر کے لیے دریائی راستے کا انتخاب کیا تاکہ کسی کو بادشاہ سلامت کے سفر کا علم نہ ہو۔ اس نے شاہی کشتی پر پردے ڈلوا دیے۔

شاہجہاں نے پوچھا "پردوں کی کیا ضرورت ہے؟ ہم بہت عرصے بعد محل کی چہار دیواری سے باہر آئے ہیں۔ لہٰذا قدرتی مناظر کا نظارہ کرتے جائیں گے۔"

ابا جان آپ بھول رہے ہیں کہ دور کے مناظر آپ کو دھندلے نظر آتے ہیں۔ آپ قدرتی مناظر سے لطف اندوز نہیں ہو سکیں گے۔ ہم نے پردہ اس لیے لگایا ہے کہ رعایا آپ کو نہ دیکھ سکے ورنہ آداب کورنش بجالانے کے لیے آپ کے چاروں طرف مجمع لگ جائے گا۔ اس بیماری میں آپ اٹھ کر نہیں بیٹھ سکتے۔ ایسی صورت میں کسی سے ملاقات

www.pklibrary.net

کرنا مناسب نہیں ہے۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ آپ یہ سفر نہایت آرام سے طے کریں گے۔"

انہوں نے اپنے عزیز بیٹے کی خواہش کے مطابق کشتی کے ذریعے سفر کیا۔ انہیں اس بات کا مطلق احساس نہ ہوا کہ بیٹے نے بیماری کے بہانے پہلے شاہی محل میں انہیں نظر بند کیا تھا۔ اب کشتی میں دنیا والوں سے چھپا کر دہلی سے آگرہ منتقل کر رہا ہے۔ وہ باپ کو سمجھانے کے لیے یہی تاویل پیش کرتا رہا تھا کہ بیماری کی حالت میں کسی سے ملاقات کرنا مناسب نہیں ہے۔ اپنی اس تاویل سے قائل کرنے کے لیے کبھی وہ اپنی آنکھوں کو ہتھیار بناتا تھا اور کبھی تاج محل کی تکمیل کے خواب دکھاتا تھا۔

وہ تاج محل کو دیکھتے آگرہ پہنچے لیکن وہ دور سے دھندلا سا نظر آیا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کوئی دشمنی سے قید کرتا ہے۔ بیٹے نے انہیں محبت سے قید کر دیا تھا۔ وہ شاہی محل کی ایک خواب گاہ میں پڑے رہتے تھے۔ کسی کی مجال نہیں تھی کہ کوئی باہر کی خبریں ان کو پہنچاتا۔ اب ان کا یہی کام رہ گیا تھا کہ ممتاز محل کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات کو یاد کرتے رہتے تھے اور ایک بار تاج محل کو دیکھنے کی آرزو میں زندگی کی سانسوں سے رشتہ جوڑے رہتے تھے۔

اس بیماری کے دوران ان کی صاحبزادی جہاں آرا ان کی خدمت میں رہا کرتی تھی۔ پہلے تو اس نے بھی باپ کے سامنے حکومت کے بگڑے ہوئے معاملات کا ذکر نہیں کیا لیکن جب اس نے دیکھا کہ پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے اور تمام بھائی اقتدار کی ہوس میں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں تو وہ بیمار باپ تک تازہ ترین اطلاعات پہنچانے لگی۔ بیمار شہنشاہ سنتا رہا کہ شجاع شاہی لشکر سے شکست کھا کر فرار ہو گیا ہے۔ اورنگ زیب اور مراد متحد ہو کر شاہی فوج کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

پھر خبر ملی کہ اورنگ زیب اور مراد شہنشاہ کی قدم بوسی کے لیے آنا چاہتے ہیں لیکن داراشکوہ کے حکم پر جسونت سنگھ نے ان کا راستہ روک لیا ہے۔ جہاں آرا نے کوشش کی مراسلت کے ذریعے اورنگ زیب اور شہنشاہ کے درمیان رابطہ قائم ہو جائے اور اس طرح آپس کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں اور بھائیوں کے درمیان صلح کے راستے ہموار ہو جائیں۔

www.pklibrary.net

شہنشاہ نے جواباً اورنگ زیب کو جو خطوط لکھے ان میں انہوں نے اورنگ زیب اور مراد کو اپنی بے پناہ محبت کا یقین دلایا لیکن بڑے بیٹے دارا شکوہ کو ولی عہد کے طور پر پیش کیا۔ یہ بات شروع سے ہی تمام بھائیوں کو ناگوار گزرتی تھی۔ وہ دارا شکوہ جیسے ضدی، خود سر اور نادان بھائی کی برتری برداشت نہیں کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صلح وصفائی کے راستے ہموار نہ ہوسکے اور بھائیوں کے درمیان جنگیں طول پکڑتی گئیں۔ اورنگ زیب دلیر بھی تھا اور ذہین بھی اور ہوا کے رخ کو پہچان کر حملہ کرتا تھا۔ تھوڑے ہی عرصے میں دارا شکوہ بھی شکست کھا کر فرار ہوگیا اور اورنگ زیب کی فوج نے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔

قلعے میں شہنشاہ کی محصور فوج نے کئی دنوں تک مقابلہ کیا لیکن پانی کی قلت کے باعث انہیں قلعے کا دروازہ کھولنا پڑا۔ اورنگ زیب کے بیٹے شہزادہ محمد اعظم نے قلعے کے اندر آکر اپنے دادا شاہجہاں کے تمام ملازمین کو حراست میں لے لیا اور یہ حکم سادر کردیا کہ بغیر اجازت دادا حضور سے کوئی ملاقات نہ کرے۔ جہاں آرا کو خصوصی اجازت دی گئی کہ وہ کھانے کے اوقات میں بیمار باپ کے پاس جائے اور کھلا پلا کر واپس آجائے۔

شہنشاہ جیتے جی مرچکے تھے۔ ایک زندہ لاش کی طرح بستر پر پڑے رہتے۔ اب وہ بار بار پوچھتے۔

"ہمارا بیٹا (دارا شکوہ) کہاں ہے؟ کیا تاج محل مکمل ہوگیا۔ ہمیں واپس لے چلو۔"

"ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے کبھی جہاں آرا موجود ہوتی کبھی ان کا پوتا شہزادہ محمد اعظم ہوتا اور کبھی اورنگ زیب کی آواز سنائی دیتی۔ بینائی اس قدر کمزور ہوگئی تھی کہ روبرو ہونے والوں کے چہرے صاف طور سے نظر نہیں آتے تھے۔ وہ بہت قریب سے دیکھتے تھے یا پھر ان کی آواز پہچان لیتے تھے۔

کبھی جہاں آرا جواب دیتی "برادر عزیز دارا شکوہ دوبارہ فوجیں جمع کررہے ہیں۔ وہ عنقریب فاتح کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوجائیں گے۔"

کبھی محمد اعظم کی آواز سنائی دیتی "دادا حضور! آپ نے ایک تاج محل کی تعمیر میں لاکھوں روپے کے ہیرے جواہرات خرچ کردیے ہیں۔ اس ایک محل کی تعمیر کے لیے بیس سال سے رعایا پر بھاری ٹیکسوں کا بوجھ پڑ رہا ہے۔ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ غریبوں کے لہو سے آپ اپنی محبت کا تاج محل بنائیں....."

www.pklibrary.net

قید خانے کی تنہائی میں شاہجہاں کی نقاہت بھری آواز ابھرتی۔

"میرے بچے آج تک اس زمین پر جتنے بھی محل اور مسجدیں تعمیر ہوئی ہیں۔ ان سب کا بوجھ رعایا پر ہی پڑا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ثواب دارین حاصل کرنے کے لیے لوگ شاہی مسجد کے ٹیکس بخوبی برداشت کر لیتے ہیں۔ ہم نے کتنی ہی مسجدیں تعمیر کرانے کے بعد ایک تاج محل بنایا ہے۔ یہ تاج محل محبت کا درس دیتا ہے۔ محبت کے بغیر ایک انسان دوسرے انسان تک نہیں پہنچ سکتا۔ جب انسان تک نہیں پہنچ سکتا تو پھر خدا تک کیسے پہنچے گا؟ دراصل خدا محبت ہے اور محبت سے پہچانا جاتا ہے۔ اس تاج محل میں کلام پاک کی جو آیتیں لکھی جائیں گی وہ تمہیں خدا شناس بنائیں گی۔

آہ! ہمارا داراشکوہ کہاں ہے؟ اس نے کبھی تاج محل پر نکتہ چینی نہیں کی۔ وہ ہمارا فرمانبردار بیٹا ہے۔ اس نے کبھی ہمیں اس طرح قید نہیں کیا تھا۔"

نہ جانے کتنا وقت گزر جاتا تھا' کتنے دن گزر جاتے تھے' کبھی اورنگ زیب کی بھی آواز سنائی دیتی تھی "ابا حضور! بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس بیٹے نے بھی آپ کو قیدی بنا رکھا تھا لیکن آپ کو اس کا احساس نہیں ہوا۔ کیا محبت اتنی اندھی ہوتی ہے کہ پاؤں کی زنجیریں بھی نہیں دیکھ سکتی۔"

قید تنہائی میں شاہجہاں کی کمزور آواز سسکنے لگتی "بیٹے انسان محبت کی زنجیر خود پہنتا ہے۔ اس زنجیر کو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کاش تم بھی ہمیں اپنی محبت سے قید کرتے۔"

کئی دنوں کے بعد شاہجہاں کو ایک خبیث کا چہرہ نظر آیا وہ چہرہ سیاہی مائل تھا۔ جابجا جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ سر' داڑھی اور ابروؤں کے بال سفید تھے۔ وہ شاہجہاں کے بالکل قریب آگیا تاکہ پہچان لیا جائے۔

شاہجہاں نے پوچھا "تم کون ہو؟"

اس نے جواب دیا "میرے معزول شہنشاہ! مجھے پہچانیے۔ میرا نام شریف الملک ہے۔ آپ کی شہزادگی کے زمانے میں ملکہ نورجہاں اور شہزادہ شہریار نے مجھے پرگنہ دھول پور کا گماشتہ بنایا تھا۔ میں ان کا وفادار ملازم تھا مگر آپ کے ملازم نے آپ کے حکم سے اس علاقے پر قبضہ جمالیا۔ اس نے مجھ سے جنگ کی اور اپنے تیر سے میری آنکھ کو زخمی

www.pklibrary.net

کر کے مجھے ہمیشہ کے لیے کانا بنادیا۔ اس وقت سے میرے دل میں انتقام کی آگ سلگ رہی ہے۔"

"تم کیا چاہتے ہو۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"مجھے تقدیر یہاں لے آئی ہے ظل سبحانی۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے مجھے آپ کی خدمت کے لیے مامور کیا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ میرے دل میں کیا ہے جو کچھ بھی ہو' آپ کے آخری وقت میں ایسی خدمت کروں گا کہ میرا کلیجا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ حکم دیجئے حضور عالی! میں تعمیل کروں گا۔"

"تمہارا لہجہ بتا رہا ہے کہ تمہارے تیور اچھے نہیں ہیں۔"

"آپ میرے تیور کو نہ دیکھیں۔ میری خدمت گزاری کو دیکھیں۔"

"اتنے ہی خدمت گزار ہو تو شہزادی جہاں آرا کو بلاؤ۔"

"میں مجبور ہوں' شہنشاہ وقت کے حکم سے شہزادی صاحبہ پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں ہیں کیونکہ وہ شہزادہ داراشکوہ کی خبریں پہنچایا کرتی ہیں۔"

"آہ' ہمیں اپنی بیٹی سے بھی جدا کر دیا گیا ہے۔ یہ کیسا ظلم ہے۔"

"ہر زمانے میں ایسا ظلم ہوتا آیا ہے۔ آپ نے بھی اقتدار سنبھال کر ملکہ نور جہاں پر پابندیاں عائد کی تھیں۔"

"کیا تم ہمیں طعنے دینے آئے ہو' نکل جاؤ یہاں سے۔ ہم حکم دیتے ہیں کہ اورنگ زیب کو ہماری خدمت میں حاضر ہونے کی اطلاع دی جائے۔"

شہنشاہ وقت ظل سبحانی اورنگ زیب یہاں سے بہت دور آپ کے صاحب زادے داراشکوہ کو گرفتار کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکیں گے۔ کوئی اور حکم دیجئے بندہ پرور! سنا ہے کہ آپ تاج محل کے لیے بہت بے چین ہیں۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اب تک آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ آپ جہاں آرام فرما رہے ہیں۔ اس دیوار کے دوسری طرف تاج محل ہے۔ اگر اس دیوار میں کوئی دریچہ یا روشن دان ہوتا تو آپ دور سے اسے دیکھ لیتے۔ اگر آپ حکم دیں تو میں کچھ ایسا انتظام کر دوں کہ آپ یہاں لیٹے ہی لیٹے تاج محل کو دیکھتے رہیں گے۔"

تاج محل کے دیکھنے کی بات آئی تو شاہجہاں کی ساری توجہ اسی ایک خواہش پر مرکوز

www.pklibrary.net

ہو گئی کہ کسی طرح ایک نظر اسے دیکھ لیں۔ انہوں نے بڑے اضطراب سے کہا۔

"انسان کتنا کمزور ہے۔ اپنی آرزو کے ہاتھوں کھلونا بن جاتا ہے اور لوگ اس کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اس سے کھلونے کی طرح کھیلتے ہیں۔ تم بھی جانتے ہو کہ ہم اپنی آرزوؤں کے محل کو دیکھنے کے لیے کتنے بے چین ہیں۔ اگر واقعی وفادار ملازم ہو تو ہمیں تاج محل کا دیدار کا موقع دو۔ ہم تمہیں اتنا انعام دیں گے کہ بڑھاپا آرام سے گزر جائے گا۔"

"مجھے اپنے نہیں، آپ کے بڑھاپے کی فکر ہے۔ آپ کی بیماری، قید تنہائی، بے بسی اور مجبوریاں دیکھ کر میرا بڑھاپا مطمئن ہو گیا ہے۔ ہی ہی ہی....."

وہ ہنستا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ راج مستری کو لے کر آیا۔ جہاں بادشاہ سلامت لیٹے ہوئے تھے اس طرف دیوار میں ایک سوراخ بنوانے لگا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک ایسا سوراخ بن گیا جس کے آر پار دیکھا جا سکتا تھا۔

راج مستری کے جانے کے بعد کانے شریف الملک نے کہا "میرے معزول شہنشاہ! اس سوراخ سے آنکھ لگا کر دیکھیے۔ باہر چاند نکلا ہوا ہے۔ چاندنی کھلی ہوئی ہے۔ اس چاندنی میں بہت دور جمنا کے کنارے تاج محل نظر آ رہا ہے۔ آپ اس نظارے سے بہت محظوظ ہوں گے۔"

بادشاہ سلامت اشتیاق دید میں بستر پر کروٹ بدل کر دیوار کے قریب آ گئے اور سوراخ سے ایک آنکھ لگا کر باہر کی جانب دیکھنے لگے۔ باہر چاندنی تھی، باغیچہ تھا۔ شبنم سے بھیگی ہوئی ہریالی تھی۔ جمنا کی لہریں چاندی کے ورق کی طرح جھلملا رہی تھیں اور اس کے کنارے تاج محل جگمگا رہا تھا۔

لیکن شاہجہاں کی آنکھ کے سامنے چاندنی کے بجائے دودھیا اجالے کی دھند چھائی ہوئی تھی۔ اس دھند میں تاج محل کی صرف جگمگاہٹ تھی۔ اس محل کا مکمل خاکہ نہیں تھا۔ حالانکہ وہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ انہیں اس لیے واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا کہ بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ دور کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے دھندلا جاتی تھیں۔ اس لیے چاندنی یوں لگتی تھی کہ جیسے دور تک سفید کہر کی چادر بچھی ہوئی ہو۔ شبنمی دھوئیں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

www.pklibrary.net

مجبوری تھی کہ وہ اپنی جوانی کے خواب کو بڑھاپے کی کمزور آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے بیس برس تک ممتاز محل کے ساتھ ایک محل کا خواب دیکھا پھر اس خواب کی تعبیر اور اس محل کی تعمیر میں مزید بیس سال لگ گئے۔ چالیس برس میں وہ خواب نفوس اور جامد ہو کر زمین کی ہتھیلی پر تخلیق ہو گیا اور چالیس برس میں وہ بوڑھے ہو کر بینائی سے محروم ہو کر اتنے مجبور ہو گئے کہ اپنی محبت کے محل کو قریب جا کر چھو سکتے تھے نہ دور سے دیکھ سکتے تھے۔

انہوں نے سوچا سوراخ ایک ہے اور وہ ایک آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اگر وہ دونوں آنکھوں سے دیکھیں تو تاج محل کچھ اور واضح ہو جائے گا۔ انہوں نے پلٹ کر کانے شریف الملک سے کہا۔

"اس سوراخ کو اتنا بڑا کر دو کہ ہم تاج محل کو دونوں آنکھوں سے دیکھ سکیں۔ ہماری بینائی کمزور ہے ہم ایک آنکھ سے اچھی طرح نہیں دیکھ سکتے ہیں۔"

جواب میں شریف الملک نے ایک زبردست قہقہہ لگا کر کہا۔

"حضور عالی! یہ بندہ بھی ایک مدت سے کانا ہے۔ آپ کی مہربانیوں سے میری ایک آنکھ بیکار ہو گئی ہے۔ میں ایک آنکھ سے اتنی بڑی دنیا کو دیکھ رہا ہوں۔ کیا آپ ایک آنکھ سے تاج محل کو نہیں دیکھ سکتے۔ حضور عالی! آپ ایک بادشاہ ہیں اور میں آپ کا ایک ناچیز خادم ہوں۔ انتقام لینے کے لیے آپ کی ایک آنکھ بے کار نہیں کر سکتا کیونکہ شہنشاہ وقت ظل سبحانی اورنگ زیب نے صرف آپ کو قید کیا ہے۔ وہ آپ پر اس سے زیادہ ظلم نہیں کرنا چاہتے پھر میری کیا مجال کہ میں آپ کی ایک آنکھ کو نقصان پہنچاؤں۔ ہاں جب تک آپ میری نگرانی میں ہیں میں یہی کوشش کروں گا کہ آپ صرف ایک آنکھ سے قید خانے سے باہر کی دنیا کو دیکھیں اور آپ دیکھ رہے ہیں۔ ہی ہی ہی......"

ایک وقت تھا جب بادشاہ سلامت کے سامنے ان کے اپنے بیٹے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتے تھے۔ اب یہ وقت آیا کہ ایک ادنیٰ سا ملازم طبع نازک پر چرکے لگا رہا تھا۔ انہوں نے غصے سے تلملاتے ہوئے کہا۔

"دور ہو جا میری نظروں سے۔ اگر اورنگ زیب نہیں ہے تو محمد اعظم کو بلاؤ۔ ہم ابھی تمہیں سزائے موت کا حکم سنائیں گے۔"

www.pklibrary.net

"بے شک آپ کی شکایت پر میری گردن اڑائی جا سکتی ہے۔ میں نے تو جان ہتھیلی پر رکھ کر یہ ملازمت قبول کی ہے۔ میں سزائے موت کو بھی قبول کروں گا کیونکہ میرا انتقام پورا ہو رہا ہے۔ اس بڑھاپے کے بعد اب موت ہی آئے گی۔ خواہ وہ سزائے موت کی صورت میں ہو۔ ویسے میری خواہش ہے کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں جب تک کہ آپ کا لاڈلا بیٹا داراشکوہ گرفتار نہ ہو جائے اور بغاوت کے جرم میں اسے اندھا نہ کر دیا جائے۔"

داراشکوہ اندھا ہو جائے؟ یہ بات وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے اور نہ کبھی سننا گوارا کر سکتے تھے۔ اس کانے خبیث کی زبان سے یہ سن کر وہ غصہ سے تھرا گئے۔ چیخ چیخ کر کہنے لگے۔

"بکواس نہ کر مردود! دور ہو جا ہماری نظروں سے۔ اورنگ زیب ہمارا بیٹا ہے، ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ وہ داراشکوہ کی جان کا دشمن تو بن سکتا ہے مگر اس کی آنکھوں کا دشمن نہیں بن سکتا کیونکہ وہ آنکھیں ہمیں عزیز ہیں۔ مرحومہ کے بعد ان آنکھوں نے ہمیں زندہ رکھا ہے۔"

"آنکھیں سب کو عزیز رکھتی ہیں۔ آنکھوں سے ہی زندگی کا لطف حاصل ہوتا ہے لیکن آپ نے اقتدار سنبھالنے سے پہلے شہریار کی آنکھوں میں سلائی پھروادی تھی۔ شاہوں اور شہزادوں کے کھیل ایسے ہی خونچکاں ہوتے ہیں اور تاریخ کے ہر موڑ پر کھیلے جاتے ہیں لہٰذا آپ کو بھی اب شہزادہ داراشکوہ کی آنکھوں کا ماتم کرنا چاہیے۔ شکایت نہیں کرنی چاہیے۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ تنہائی میں بیمار بادشاہ کی آنکھیں اپنے عزیز بیٹے کو دیکھتی رہیں اور دل اسے پکارتا رہا۔ اگر وہ روبرو ہوتا تو اسے اپنے قریب بلا کر اس کی آنکھوں میں ممتاز محل کو دیکھ لیتے۔ تاج محل کو بھی دیکھ لیتے۔ اگرچہ تاج محل خود ان کے پاس نہیں آ سکتا تھا لیکن بیٹے کی آنکھوں میں اس کا جلوہ نظر آ سکتا تھا۔ وہ آنکھیں ایسی تھیں جو ممتاز محل سے کیا ہوا وعدہ یاد دلاتی تھیں۔ گویا اس کی آنکھوں کی تحریک اور ترغیب سے ہی تاج محل وجود میں آیا تھا۔

اس قید تنہائی سے بہت دور داراشکوہ ناکامیوں کا منہ دیکھتا ہوا دہلی پہنچا اور اپنی

www.pklibrary.net

بدبختی سے اورنگ زیب کی گرفت میں آ گیا۔ کچھ عرصے تک اسے کال کوٹھری میں رکھا گیا۔ اورنگ زیب کے کتنے ہی مصاحبوں نے مشورہ دیا کہ داراشکوہ کو اذیتیں دے کر مارا جائے تاکہ دوسرے باغی شہزادوں کو عبرت ہو لیکن اورنگ زیب نے صرف اس کی گردن اڑا دینے کا حکم دیا۔ بعد میں کچھ لوگوں نے کہا کہ اس کا سر شاہجہاں کو پیش کر دیا جائے لیکن اورنگ زیب نے یہ بھی گوارا نہ کیا۔ اس نے صرف ایک باغی کو سزائے موت دی تھی۔ وہ ایک لاڈلے بیٹے کا سر پیش کر کے باپ کو مزید صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

۳۰ اگست ۱۶۵۹ء بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب تھی۔ برسات کی اندھیری رات میں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ معزول شہنشاہ حالات کے اندھیرے میں بستر پر نیم دراز تھے۔ ایک طرف چند شمعیں روشن تھیں جن کی لوئیں طوفانی ہوا کی زد میں پھڑپھڑا رہی تھیں۔ وہ ایک جانب نظریں جمائے سوچ رہے تھے اور زیرلب بڑبڑاتے ہوئے خون اور محبت کے رشتوں کو پکار رہے تھے۔

"ہمارا شکوہ کہاں ہے؟ شجاع.... مراد.... اورنگ زیب تم سب کہاں ہو۔ زندگی کی کالی راتوں میں تم نے بیمار اور بوڑھے باپ کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا ہے۔

آہ! ہم ہندوستان کے شہنشاہ تھے۔ آج ہمارے دونوں ہاتھ اقتدار سے خالی ہیں۔ سر پر تاج نہیں ہے' زمانے کی گرد ہے۔ دل فریادی کی طرح دھڑک دھڑک کر محبت کے رشتوں کو پکار رہا ہے۔ آنکھیں دیدار کی پیاسی ہیں۔ تاریخ کی آنکھوں نے ایسا بھکاری شہنشاہ نہیں دیکھا ہوگا۔

ہمارا دل گھبرا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ کوئی قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ یہ بادل رہ رہ کر یوں گرج رہے ہیں جیسے موت کا فرشتہ زندگی کو دھمکیاں دے رہا ہو۔ اتنی طویل عمر گزارنے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے جیسے ایک پل کے لیے دنیا میں آئے تھے اور دوسرا پل شروع ہونے سے پہلے یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں۔ زندگی بس اتنی ہی دیر کی ہوتی ہے۔ بجلی کی طرح ایک لمحے کے لیے چمکتی ہے اور فنا کی گود میں چلی جاتی ہے۔"

زندگی کے اس ایک قطرے میں ہم نے کیا پایا' کیا کھویا؟

شاہ بانو ہم کتنی دور سے چل کر آئے ہیں۔ آپ مینا بازار کی پھلواری میں ملیں۔ ہم

www.pklibrary.net

نے ایک تاج محل کا خواب دکھایا۔ آج وہ تاج محل تعمیر ہو چکا ہے لیکن یہ کیسی بد بختی ہے کہ اسے دیکھنے سے پہلے آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئیں اور اسے دیکھنے کی آرزو میں ہم جی رہے ہیں اور مر رہے ہیں۔ شاید ہمیں بھی اس کا دیدار نصیب نہ ہو۔ کیا دنیا اس المیے کو سمجھ سکے گی کہ جو اس کا خالق ہے وہ اپنی ہی تخلیق کو ایک نظر دیکھنے کی آرزو میں مر گیا!

شاد بانو! آپ نے دارا شکوہ' شجاع' اورنگ زیب اور مراد کو جنم دیا تھا۔ ایک ماں کی ہر تخلیق تاج محل سے زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ آئندہ زمانے میں..... تاج محل کا کیا حشر ہو گا مگر آپ کے تخلیق کردہ تاج محلوں کی تباہی کا تماشا ہم دیکھ رہے ہیں۔

آج ہمارے پاس کوئی نہیں۔ آپ نہیں ہیں' آپ کے بچے نہیں ہیں' ہماری دولت نہیں ہے' ہماری حکومت نہیں ہے' ہماری شان و شوکت' عزت و وقار شاید تاریخ کے صفحات پر ہوں گے لیکن بیٹے کی قید میں نہیں ہیں۔ ہم نے اس زندگی میں کچھ نہیں پایا۔ خدا کی قسم' شاہ بانو! ہمارے دونوں ہاتھ خالی ہیں۔ آج ایک بھکاری بھی ہم سے بہتر ہو گا۔ انتہا یہ ہے کہ ایک ادنیٰ ملازم بھی سر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔

دیکھئے بیگم! وہ دیکھئے۔ وہ خبیث آ رہا ہے۔ اس کی ایک آنکھ میں شگاف ہے اور دوسری آنکھ سے شیطان جھانک رہا ہے۔ وہ باہر کی بارش میں بھیگتا ہوا آیا ہے۔ اس کے کپڑوں سے پانی لہو کے قطروں کی طرح ٹپک رہا ہے..... اے بوڑھے خبیث! تم یہاں اتنی رات گئے کیوں آئے ہو؟ یہ تمہارے ہاتھوں میں کیا ہے؟"

"میرے معزول شہنشاہ! یہ چاندی کا قلم دان ہے۔ یہ ناچیز آپ کے لیے ایک انمول تحفہ لایا ہے۔"

قید خانے کی نیم تاریکی میں شمع کی لوئیں تھرا رہی تھیں۔ اس روشنی میں چاندی کا قلم دان کاسہ سر کی طرح چمک رہا تھا۔ شاہجہاں نے کہا "ہم تمہارے تحفے کو ٹھکراتے ہیں۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

"حضور عالی! آپ مجھے مایوس نہ کریں۔ آپ کے لاڈلے بیٹے دارا شکوہ کا اس تحفے سے گہرا تعلق ہے۔"

شاہجہاں نے چونک کر اس قلمدان کی طرف دیکھا پھر ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "لاؤ

www.pklibrary.net

لیں دے دو۔ کیا ہمارے بیٹے نے اسے ہمارے لیے بھیجا ہے۔"

"جی ہاں۔ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔" اس نے تحفے کو شہنشاہ کے ہاتھوں پر رکھ

چاندی کا وہ چھوٹا سا قلمدان شہنشاہ کے ہاتھوں میں لرزتا رہا پھر انھوں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس کے اندر اور باہر مینا کاری کا نفیس کام کیا ہوا تھا۔ اندر ایک مخملی گدا بچھا ہوا تھا۔ جس کی مخملی سطح پر دو انسانی آنکھیں بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی تھیں۔

اچانک ایک بجلی کوندی، روشنی کا ایک جھماکا ہوا۔ وہ آنکھیں کچھ روشن ہو گئیں اور شہنشاہ کی بچھڑی ہوئی محبتوں اور رشتوں کو پکارنے لگیں۔

بادل کی گرج کے ساتھ کانے شریف الملک کی آواز گونج رہی تھی۔

"حضورِ عالی! مغل بادشاہوں کے انصاف کے مطابق جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ میں اپنی ایک آنکھ کے بدلے آپ کی خدمت میں دو آنکھیں پیش کر رہا ہوں۔ آپ ان آنکھوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ میں نے شہنشاہ اورنگ کی لاعلمی میں اپنی جان پر کھیل کر یہ آنکھیں ایک سر کٹے صاحب زادے کے چہرے سے نکالی ہیں۔ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف......"

بجلی پھر ایک بار کوندی۔ اس لحاتی روشنی میں لاڈلے بیٹے کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں اور ان آنکھوں سے ممتاز محل جھانک رہی تھیں۔ بوڑھے بادشاہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ چہرہ بھیگ گیا۔ داڑھی بھیگ گئی پھر آنسوؤں کا ایک قطرہ ٹپک کر ایک آنکھ پر ٹھہر گیا اور سچے موتی کی طرح جھلملانے لگا۔

آنسو کا وہ قطرہ اب تک جمنا کے کنارے جھلملا رہا ہے۔

○☆○

(نوٹ: کہانی میں چند واقعات حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔ صرف کہانی کی دلچسپی کی خاطر شامل کیے گئے ہیں)